



بتخانہ خلیل

ملک محمد جالسی کی شہرہ آفاق پداوت کا ترجمہ

مصنف

حافظ خلیل حسن خلیل مانکیوری

(برادر فصاحت جنگ خلیل مانکیوری)

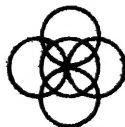
مُرتب:
ڈاکٹر علی احمد خلیل

اشاعت	۱۹۹۲ء
ادیشن	پہلا
تعداد	پانچ سو
کتابت	محمد عبدالرؤف
سرورق	سلام خوشنویس
مطبع	انجائز پریس۔ چیتہ بازار۔ حیدرآباد
قیمت	۶۰ روپے
ناشر	علی احمد جلیلی

یہ کتاب فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت اتر پردیش لکھنؤ
کے مالی تعاون سے شائع ہوئی۔

ملنے کے پتے

- حسامی بک ڈپو۔ مچھلی کمان۔ حیدرآباد
- علی احمد جلیلی ۱/۳۳-۱۔ ۲۲ جلیلی منزل
- سلطان پورہ۔ حیدرآباد۔ ۲۲



669

انتساب

دکن کے مشنوی لنگاروں

غلام علی دکنی۔ سید محمد فیاض دیلوری —

سید محمد خاں عشرتی

کے نام

جنھوں نے ملک محمد جائسی کی ہمدی پرمات

کو دکنی میں منظوم کیا

پیچہ نگاریں (بتخانہ خلیل) اردو کی افسوسناک حد تک
 بھولی ہوئی مثنویوں میں سے ایک ہے۔ مصنف کے نام
 سے متاثر ہونے والوں نے اس شاعر کے خونِ جگر کی
 یہ قدر کی کہ آج اس کام کو بھی کوئی نہیں جانتا۔
 ڈاکٹر سید محمد عقیل

اشاریہ

۹	تمہید
۱۳	ملک محمد جالسی (تعارف)
۱۹	پدماوت
۲۹	پدماوت کے منظوم ترجمے
۴۱	جالسی کی پدماوت کی خصوصیات
۵۷	تقابلی مطالعہ
۹۹	سرایا
۱۰۷	منظر نگاری
۱۱۳	ساقی نامہ
۱۱۷	تنقیدی نظر
۱۲۳	بتخانہ خلیل (مثنوی)



ثنوی "تجاذ خلیل" کا ایک مطبوعہ نسخہ عرصہ دراز سے میرے کتب خانے میں ہے۔ ۱۹۳۸ء میں یہ نسخہ اس وقت میرے ہاتھ آیا۔ جب میں حیدرآباد سے اپنے وطن مانچور ہوتا ہوا اپنے ایک عزیز کے یہاں بلرام پور گیا تھا۔ ثنوی کے خالق حافظ خلیل حسن خلیل مانچوری (برادر سلاں جلیل مانچوری) ہیں جو رشتہ میں میرے چچا ہوتے ہیں۔ ریاست بلرام پور میں ان کی حیثیت شاعر دربار کی تھی۔ ریاست کی طرف ہی سے یہ ثنوی شائع ہوئی۔

ثنوی "تجاذ خلیل" ملک محمد جاسی کی پدموت کا منظوم ترجمہ ہے۔ چنانچہ ثنوی کے ابتدائی اشعار میں یہ اظہار کر دیا گیا ہے کہ ملک محمد جاسی اس داستان کو بیان کر چکا ہے اور عبرت نے بھی اسے ثنوی کا روپ دیا ہے۔ عبرت کے بارے میں اور کوئی تفصیلی نہ تھی اس لئے اس شاعر اور اس کی ثنوی تک رسائی نہ ہو سکی اور اس کام کو آگے بڑھانے کا خیال ادھور ہی رہا۔

حسن اتفاقی سے ریسرچ سنٹر حیدرآباد کے بانی محمد عبدالصمد خاں صاحب سے ایک دن اس بات کا ذکر آیا تو انھوں نے نہ صرف عبرت کی ثنوی شمع و پروانہ کے دو نسخے فراہم کر دیے بلکہ فارسی خط میں لکھا ہوا ملک محمد جاسی کی پدموت کا ایک نسخہ بھی اپنے ریسرچ سنٹر سے ڈھونڈ نکالا۔ ان کتبوں کی فراہمی نے پیر پرواز کا کام

کیا اور بُتخانہ خلیل کو متعارف کرنے کا موقع مل گیا۔

بعد ازاں اسی ریسرچ سنٹر کے ذخیرہ میں مجھے کئی رسالے نکار بہاری زبان اور اردو کراچی ایسے ملے جن میں اردو مثنویوں سے متعلق کافی مواد تھا۔ اس سلسلے میں اردو مثنوی کے ارتقا پر لکھی ہوئی کئی کتابوں پر مبنی نظر ڈالی تو پتہ چلا کہ مثنوی بُتخانہ خلیل کا علم مثنوی کی تاریخ لکھنے والوں کو نہیں ہے۔ صرف ڈاکٹر سید محمد عقیل کی کتاب ”اردو مثنوی کا ارتقاء“ میں بُتخانہ خلیل کا مختصر تعارف ہے۔ البتہ ملک محمد جالسی کی پدمات کے دیگر منظوم ترجموں میں عتبہ کی شمع و پروانہ اور ہاشم علی بریلوی کی مثنویوں کا ذکر اکثر کتب میں موجود ہے۔

پدمات کے اردو منظوم ترجموں میں میری رسائی صرف دو ترجموں یعنی بُتخانہ خلیل اور شمع و پروانہ تک ہی رہی۔ ہاشم علی بریلوی کی مثنوی فراہم نہ ہو سکی۔ اس مواد کے علاوہ ملک محمد جالسی کی پدمات کے تین نسخے اور ایک مخطوط بھی میرے پیش نظر رہا ہے۔

۱۔ پدمات بھاشا ملک محمد جالسی (ہندی رسم خط میں)۔ اس کا سن اشاعت ۱۹۲۰ء ہے اور یہ نو لکچور پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے۔

۲۔ پدمات (فارسی رسم خط میں)۔ شعلہ طور کا نیور ۱۸۶۱ء۔

۳۔ پدمات (فارسی رسم خط میں)۔ مطبع نو لکچور لکھنؤ۔

پدمات بھاشا کا ایک مخطوط جو ناقص آخر ہے اس کے سن کتابت کا پتہ نہیں چلتا لیکن اس کے بوسیدہ کاغذ اور روشنائی سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ یہ مخطوط سو سال قبل کا ہے۔ اس کا مقابلہ پدمات کے مطبوعہ نسخوں سے کیا تو پتہ چلا کہ اطلاق بہت غلطیاں ہیں۔ اشعار کی ترتیب میں بھی فرق ہے بعض بند چھوڑ دیئے گئے ہیں۔

فارسی رسم خط اور ہندی رسم خط کے نسخوں کا جائزہ لیتا ہے کہ اکثر

الفاظ کے املا میں اختلاف ہے۔ مثلاً

چھابہ اور چھاج - الوپا اور الوپاں - تہارا اور تمھرا - کاہو اور کوہو - جوت اور جوت وغیرہ -

مطالعہ سے یہ بھی انکشاف ہوتا ہے کہ سنسکرت اور ہندی کے بعض الفاظ میں املا کو بدل دیا گیا ہے یعنی پروت کو پریت درن کو برن اور درہ کو برہ بکھا گیا ہے کہیں کہیں الفاظ کی تبدیلی بھی ملتی ہے جیسے بھوی کی جگہ بہم اور گھر کی جگہ گہ جو ہم معنی ہیں۔ فارسی رسم خط کے نسخوں میں ک اور گ کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھا گیا جس سے پڑھنے میں بڑا تسامح ہوتا ہے۔

حاصل یہ کہ اس حاصل شدہ مواد سے استفادہ کرتے ہوئے میں نے حافظ خلیل حسن خلیل کی مثنوی بنخانہ خلیل کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اور اس انحراف کا بھی لاٹ لیا ہے جو ملک محمد جاسی کی پدموت اور خلیل کے ترجمہ کے متن میں ہے تقابلی مطالعہ کے لئے ہجرت و عشرت کی شمع و پروانہ کو بھی پیش نظر رکھا ہے اور حسب ضرورت میر حسن اور گلزار نسیم کی مثنویوں کے حوالے بھی دئے ہیں۔

علی احمد حبیلی

ملک محمد جانی

تعارف

اصنافِ سخن میں ثنوی کو اس اعتبار سے بڑی اہمیت حاصل ہے کہ اس میں ہر قسم کے مضامین مناظر قدرت، جذبات کی تصویر کشی، فلسفہ و تصوف کے مباحث، احسن و عشق کی واردات اور رزم و بزم کی داستانیں بخوبی نظم کی جاسکتی ہیں۔ مضامین کے اعتبار سے جو وسعت اس صنفِ شاعری کو ہے وہ اور کسی صنف کو حاصل نہیں۔ بالخصوص واقعہ نگاری کے لئے اس سے بہتر کوئی اور اسلوب نہیں۔ اردو ثنوی دیگر اصنافِ سخن کی طرح فارسی کی مرہونِ منت رہی ہے۔ اردو کے آغاز یعنی پہلے ہی دور سے ثنوی لکھنے کی کوششیں ملتی ہیں۔ دکن سے اس کی شروعات ہوئی اور شمالی ہند میں ارتقائی منازل طے کئے۔ ابتدائی ثنویوں میں بیشتر ایسی ہیں جو فارسی سے ترجمہ کی گئیں۔ پھر جب طبعِ آزاد ثنویوں کا رواج عام ہوا تو ثنویوں سے اردو کا دامن بھر گیا۔ ان میں ایسی ثنویوں کی تعداد اچھی خاصی ہے جو دوسری زبانوں سے اردو میں منتقل کی گئیں۔ بلاط کے اعتبار سے یہ ثنویان نثری داستانوں کی منظوم شکلیں ہیں۔ جاسی کی پدمات کے اردو منظوم ترجمے اسی سلسلے کی اہم کڑی ہے۔

ملک محمد جاسی کی پدمات سے اردو دنیا صرف اس حد تک متعارف ہے کہ اردو ثنوی کے ارتقاء کے سلسلے میں اس کا ذکر بھی اکثر تذکرہ نگاروں

کے یہاں ملتا ہے۔ کچھ محققین نے چیدہ چیدہ مضامین میں اس کا مختصر تعارف کر دیا ہے۔ ملک محمد جالسی پر ایک کتاب انجمن ترقی اردو دہلی کی طرف سے بھی شائع ہوئی ہے لیکن یہ مادہ اردو منظوم ترجموں پر کوئی مستقل کام اب تک نہیں ہوا ہے۔

ملک محمد جالسی

ملک محمد نام۔ محمد تخلص۔ سولہویں صدی عیسوی میں ہندی کے مشہور شاعر تھے۔ ۱۷۶۳ء کے لگ بھگ ایک غریب کسان خاندان میں پیدا ہوئے۔
مقام پیدائش کا پتہ نہیں کسی مقام کے رہنے والے تھے۔ جالسی آکر یہیں بس گئے اور جالسی کہلانے لگے۔ وہ خود لکھتے ہیں۔

جالسی نگر دھرم استانوی یہاں آئی کوئی کھٹا بکھانا
والد کا نام شیخ مرزہ بنایا جاتا ہے۔ ماں کے نام کا پتہ نہیں۔ دونوں کا انتقال جالسی کی کسی

لہ سولہویں صدی عیسوی میں شیر شاہی عہد میں ملک محمد جالسی ایک شاعر ہوا ہے۔ اس نے یہ مادہ داستان نظم کی۔ اس کی بحر ہندی رکھی ہے۔ (آبجیات ص ۱۸)

امیر خسرو کے بعد شیر شاہی عہد میں ملک محمد جالسی پیدا ہوئے۔ وہ بھاکا زبان کے ایسے زبردست شاعر تھے کہ خود ہندی میں آج تک ایسا سخنور پیدا نہیں ہوا۔ ان کی شہنی پد متاؤ آج موجود ہے اور گھر گھر پھیلی ہوئی ہے۔ (مقالات شہنی حصہ اول ص ۲۰)

لہ بعض تذکرہ نگاروں کے نزدیک تاریخ پیدائش ۵۹۰ھ ہے۔ اس لحاظ سے وفات ان کی ۵۰ سال کی عمر میں ہوئی۔ لیکن ایک روایت کے بموجب وہ ۷۹ برس زندہ رہے اس لئے اس تاریخ سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔ لہ اودھ کا ایک قدیم تاریخی قصبہ جو آج کل رائے بریلی میں ہے۔ اولاً اس کا نام اودیا نگر تھا۔ یہ مقام بہر دراجپوت قوم کا مستقر تھا۔

۱۷۶۳ء میں غیا الدین کے نائب نجم الملک نے اسے فتح کیا تب اس کا نام جالسی پڑا۔ (ملک محمد جالسی کی زندگی و خدمات ص ۱۹۴)

میں بیوگیا تھا۔ مانا کا نام شیخ اللہ داد تھا۔ بچپن انھیں کے یہاں ماکپور ضلع پیتا بگڑہ میں گزرا۔ سات سال کی عمر میں چھپک نکلی تو ان کی ماں نے شیخ مدار کے مزار پر ان کی زندگی کی منت مانگی تھی۔ زندگی تو بچ گئی لیکن ایک آنکھ ضائع ہو گئی۔ چونکہ کمسن تھے اور دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ تھا اس لئے فقیروں کے ساتھ رہنے لگے انہیں لوگوں کی صحبت سے متاثر ہو کر فقیرانہ روش اختیار کی اور ساری زندگی فقری میں گزاری۔ مخدوم سید اشرف جہانگیر کچھوچھوی کے مرید ہوئے۔ روزِ طریقت سے شناسائی اور معرفت کی آگہی کے سبب مرجع خاص و عام ہوئے۔

ذریعہ معاش زراعت تھا۔ چند بیگھے آبائی زمین تھی۔ جوت کراوات بسر کرتے تھے۔ اس قصبہ کے ایک محلے میں جو کنجا نے کے نام سے مشہور ہے ملک محمد کا مکان اب تک محفوظ ہے۔ بعض روایتوں کی بناء پر ان کی شادی بھی ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے ۷ بیٹے تھے۔ کھانا کھاتے وقت مکان کی چھت بٹھ گئی۔ سب دب کر مر گئے۔ اس واقعہ نے ان کے دل میں اور بھی سوگواری بھری تھی۔ ان کا سرال ماکپور بتایا جاتا ہے۔

حسن ظاہری سے محروم تھے۔ اپنے حلیے کے متعلق خود لکھتے ہیں۔

محمد کوئی جو پریم کے نازکت رکھت ناما
من بکھ دیکھیا سو ہنسائی تہہ آئی آنس

(ملک محمد حسن و عشق کے شاعر ہیں۔ ان کے بدن پر نہ گوشت ہے اور نہ جسم میں خون)

لے یک چشم ہونے کو بنا دِل کمال ٹھہرایا ہے۔ کہتے ہیں: ”ایک آنکھ کا شاعر محمد ہنرمند ہے چاند کے جیسا دنیا میں خدا نے اُتارا جسکو سیاہی دی اور روشنی بخشی اس طرح مجھ کو بھی نظر آتا ہے ایک آنکھ سے۔ وہ ایک آنکھ ایسی جیسے زہرب تاروں میں۔ جب میں دم داعی نہیں سوتا خوشبو نہیں دیتا خدا نے سمندر کا پانی کھاری کیا تب وہ اس طرح ناپید اُگتا ہوا“

جو صورت دیکھتا ہے وہ ہنستا ہے مگر جوابات سنتا ہے وہ رقتا ہے۔

ایک روایت کے بموجب جائسی ایک بار شیر شاہ سوری کے دربار بھی گئے تھے شیر شاہ ان کے بھدے چہرے کو دیکھ کر ہنس پڑا۔ درباریوں نے بھی اس کا ساتھ دیا جائسی نے ہر جہتہ کہا کہ مجھ پر ہنستا ہے یا ہلنے والے پر۔ اس پر شیر شاہ بہت شرمندہ ہوا اور معافی چاہی۔ بعض اس روایت کو جھٹلاتے ہیں کہتے ہیں کہ وہ کبھی دربار گئے ہی نہیں شیر شاہ خود ان کی شہرت سن کر ان کے پاس آیا تھا۔ حیرن دہلوی نے اس واقعہ کو اکبر بادشاہ کے حوالے سے منظم کیا ہے۔ جن کو جائسی نے یوں جواب دیا تھا۔

ہنس پڑے مائی یہ تم اے شہر یار یا کہ میرے پرہنے اے تاجدار
کچھ گنہ میرا نہیں اے بادشاہ سرخ داسن تو ہوا اور میں بیاہ
اصل میں مائی تو ہے سب اکیڈا اختیار اس کا ہے جو ہے اسکے ہاتھ

یہ درست نہیں کیوں کہ جائسی اکبر کے جنم کے وقت ہی ۱۵۴۲ء میں انتقال کر چکے تھے۔

ملک محمد نے جہاں فقیروں اور درویشوں کی صحبت میں عبادت و ریاضت کے مراحل طے کئے وہیں انھیں پنڈتوں کی بھی صحبت ملی تھی۔ اس لئے وہ ہندو کے شائستروں سے اچھی طرح واقف تھے! ابھی تو عمر تھے کہ شاعری کی دھوم ہو گئی بیس سال کی عمر سے شعر کہنے لگے تھے۔ ہندوستان کے گوشے گوشے میں ان کے دو چے گائے جاتے تھے اور بارہ ماہ عوام کی زبانوں پر تھا۔ کہتے ہیں کہ ابھی کا راجا جائسی کی شاعری سے متاثر ہو کر ان کا بھکت ہو گیا تھا۔ انھیں اپنے پاس ابھی بلوایا اور تادم آخر اپنے یہاں جہان رکھا۔ یہیں ابھی میں ۱۵۴۹ء کی عمر میں ۹۴۹ھ ۱۵۴۲ء میں انتقال کیا۔ یہیں مدفون ہیں۔

پدماوت

ہندی نظم میں مثنویوں کو ہر دور میں مقبولیت رہی ہے۔ گودھاں اس کا کوئی مخصوص نام نہیں۔ دیر کال کی تقریباً تمام نظمیں مثنوی کی طرز پر لکھی گئی ہیں۔ اردو مثنویوں میں جس طرح ہر مصرع مطلع کی صورت میں قافیہ کی پابندی کے ساتھ آتا ہے ہندی میں بھی زیادہ تر چھوٹی بحر میں استعمال کی جاتی ہیں۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ یہاں اشعار کے بعد ایک طویل دو ہاٹپ کی صورت میں آتا ہے۔ مثنوی کی شکل برقرار رہتی ہے۔ پدماوت اسی طرز پر لکھی گئی ہے۔

ملک محمد جالشی کی یوں تو اور بھی کئی تخلیقات۔ اکھراوٹ، راگنی سوراٹ اور آخری کلام وغیرہ ہیں لیکن جن شاہکار نے ان کو زندہ جاوید کیا وہ ان کی تصنیف پدماوت ہے۔ ہندی والوں نے باعث بار زبان، معالی، ترتیب و تسلسل، تیسر نگاری اور اسلوب نگارش پدماوت کو ہندی ادب کا جگمگانا ہیرا کہا ہے۔ رومانی مثنویوں کے زمرہ میں اس کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ ہندی کی مشہور پریم کہانیوں اندراوتی، مرگاوتی اور چتراوتی کے مقابلہ میں پدماوت کو برتری حاصل ہے۔ پدماوت کی زبان بھاشا (بھاکا) یعنی یورپی اودھی ہے۔ اس میں مغربی ہندی، فارسی، عربی اور سنسکرت الفاظ کی بھی شمولیت ہے۔

۱۔ ڈاکٹر گیان چند جین۔ اردو مثنوی شمالی ہند میں ۱۹۶۵ء ص ۶۳
 ۲۔ اودھی صوبہ اودھ، ضلع آگرہ، چھوٹا ننگپور، بکھیل کھنڈ اور صوبہ متوسط میں بولی جاتی ہے۔ اودھی، یورپی اور کچھ نام سے دو حصوں میں منقسم ہے۔ پدماوت کی زبان کو یورپی اودھی کا نمونہ کہہ سکتے ہیں۔
 (ملک محمد جالشی۔ سید کلب مصطفیٰ ۱۹۶۱ء ص ۹۴)

سر جارج گریسن کے مطابق پداوت سے اس زمانے کی زبان اور تلفظ کا پتہ چلتا ہے ہندو مصنف قدامت پرستی کی وجہ سے اپنے الفاظ کے سجاوٹ پرانے سنسکرت کے مطابق کرتے تھے لیکن جائی نے اس کا اتباع نہیں کیا۔ پداوت کو جائی نے فارسی رسم خط میں لکھا۔ اس کا مخطوط فارسی رسم خط میں ہی ہے۔ ہندی کے متعدد ادیبوں کا اتفاق ہے کہ جائی کی پداوت اور اس کی دوسری تصانیف کا رسم خط فارسی ہی تھا۔ گریسن، ادجہاجی، ستیدام اور بالوشیام سندرو وغیرہ نے پداوت کے رسم خط کو فارسی ہی قرار دیا ہے۔ لیکن اب پداوت کے مطبوعہ نسخے ناگری رسم خط میں ہی ملتے ہیں۔ یہ ٹھنی پچیس برس کے طویل عرصہ میں لکھی گئی۔ سلطان ابراہیم لودھی کے عہد میں اس کے لکھنے کا آغاز ہوا اور شیر شاہ سوری کے دور میں تمام ہوئی۔ سر جارج گریسن نے سنہ تصنیف ۹۲۷ھ م ۱۵۱۷ء لکھا ہے۔ پداوت کے اس صدی کے نسخوں میں بھی تصنیف کا یہی سنہ یعنی ۹۲۷ھ ہے۔ تاہم اس کی صحت میں اختلاف ہے بعض محققین ۹۲۷ھ بتاتے ہیں۔ اندازے کے مطابق پداوت کی تکمیل کا سلسلہ ان کے آخری وقت تک جاری رہا۔ جائی اپنی پداوت کے اختتامی حصہ میں لکھتے ہیں :-

”اے مجھ تیری عمر گزر گئی اور جوانی مفت خراب گئی۔ قوت بدن کی جاتی رہی اور جسم کمزور ہو گیا۔ آنکھیں روتے روتے جاتی رہیں۔ دانتوں کے گر جانے سے رخسار بے رونق ہو گئے۔ عقل کے زائل ہونے سے لوگ دیوانہ کہتے ہیں۔ بالوں کی سیاہی جاتی رہی۔ سر ہلنے لگا۔ جوانی جو اجیت لے گئی۔ جب تک زندگی ہے جو بن ساتھ ہے۔ جب موت آئی معاملہ دوسرے کے ہاتھ ہے۔“

چنانچہ ڈاکٹر گیان چند بھی پیدمات کا سال تصنیف ۹۳۷ھ ہی قرار دیتے ہیں۔
 جبکہ جائسی کا سنہ وفات ۹۳۹ھ ہے۔ امیر احمد علوی نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ان
 کے نقطہ نظر سے جائسی پیدمات کے اختتام کے بعد بھی مدت تک زندہ رہے کیونکہ
 ان کی تصنیف راگنی سوراٹ (جو ایسا لگ سوساٹھی بنگال کے کتب خانہ میں ہے) عہد
 اکبر کی تالیف سمجھی جاتی ہے۔
 اس وقت میرے سامنے جائسی کی پیدمات کا جو نسخہ ہے وہ ہندی رسم الخط
 میں ہے۔ اس کے ٹائٹل کی عبارت یہ ہے۔

پیدمات بھاشا

راجہ رتن سین اور پیدمات رانی کی پر سدھ کہانی

لیکھک :- ملک محمد جائسی

نولکھور پریس میں مدت اور پیدمات ۱۹۲۰ء آٹھویں بار

یہ نسخہ ۳۱۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ اشعار کی تعداد (۶۳۳) ہے۔ اُردو
 مثنویوں کی طرح جائسی نے اس کا آغاز حمد و نعت اور منقبت سے کیا ہے۔ پھر
 بادشاہ وقت شیر شاہ سوری کی مدح ہے۔ کچھ اشعار مرشد سید اشرف جہانگیر کی منقبت
 میں بھی ہیں۔ ان روایات کی تکمیل کے بعد مقام جائس اور سنگدیپ کا تعارف کرواتے
 ہوئے اصل داستان کا آغاز ہوتا ہے۔ پیدمات کی پیدائش سے داستان کے خاتمہ

۱۔ ڈاکٹر گیان چند جین۔ پیدمات اردو نظم۔ اردو کراچی ۱۹۵۱ء

۲۔ امیر احمد علوی۔ ملک محمد جائسی کی پیدمات۔ لنگار جولائی ۱۹۳۶ء ص ۲۲

۳۔ پیدمات کا یہ ہندی ادیشن خلیل حسن خلیل مانچوری کے تصرف میں رہا ہے جنہوں نے اس کا
 ترجمہ کیا۔ ۴۔ ہینل دیپ اور سران دیپ نام بھی اس کو دیا جاتا ہے۔

ہم شہزادی کو مختلف عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے۔ جو کہانی منظر کی گئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

خلاصہ داستان

سہل دیپ کے راجا گندھرب سین کی بیٹی پدموت بڑی مرادوں کے بعد پیدا ہوئی اس نے ایک لوتا (ہیرن) پال رکھا تھا جو انسانوں کی طرح باتیں کرتا تھا۔ پدموت اس جہاں دیدہ مصاحب خاص سے اپنا جی بہلاتی تھی۔ وہ اس عمر کو پہنچ چکی تھی کہ کسی کو اپنا شریک زندگی بنانا چاہتی ہے۔ راجا نے اب تک کسی کو اس سے لئے منتخب نہیں کیا تھا۔ پدموت کو ملول دیکھ کر لوتے نے اس کے لائق شوہر تلاش کرنے کی اجازت چاہی۔ اس کی اطلاع گندھرب سین کو ہو گئی۔ پدموت کے پاس لوتے کا رہنا پسند نہ آیا۔ اسے مار ڈالنے کا حکم دیا لیکن لوتا کسی طرح نکل بھاگا اور ایک چڑیا کے دام میں جا پھنسا۔ اس نے ایک برہمن کو فروخت کر دیا۔ برہمن اس لوتے کو اپنے ساتھ چھوڑ لایا اور راجہ رتن سین کے ہاتھ بیچ دیا۔ لوتا راج محل میں رہنے لگا۔ ایک دن جب رتن سین شکار کو گیا ہوا تھا اس کی رانی ناگمت نے بن سنور کے اپنے حُسن کی داد لوتے سے چاہی۔ لوتے کو اس کا غرور حسن پسند نہ آیا۔ ناگمت کے مقابلے میں پدموت کے حسن کا ذکر کر بیٹھا۔ رانی یہ سُنکر گھبرا گئی اور اس خوف سے کہ کسی دن وہ راجہ سے پدموت کے حُسن کی تعریف نہ کر بیٹھے اسے مار ڈالنے کے لئے خادمہ کے سپرد کیا۔ خادمہ نے مصلحتاً اسے اپنے گھر میں چھپا رکھا اور پھر رتن سین کے ناراض ہونے پر اس کے حوالے کر دیا۔ لوتے نے جو کچھ گزرا تھا وہ سب کہہ سنایا۔ لوتے سے پدموت کے حُسن و جمال کی تعریف سُن کر رتن سین اس کا نادیدہ عاشق ہو گیا۔ راج پاٹ چھوڑ جوگی بنا اور لوتے کو لیکر پدموت کی تلاش میں سرحدیپ کی طرف چل پڑا۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہلے ملک کا تک پہنچا۔ وہاں کے راجہ جگتی سے

جہاز لیکر راستے کے مصائب جھیلتا اور سات سمندر پار کر کے سرانڈیپ پہنچا۔
 رتن سین کو مہادیو کے مندر میں چھوڑ کر تو تاپدمات کے پاس گیا اور سارا
 احوال کہہ سنایا۔ رتن سین کا اس کے لئے جوگی بن جانے کی بات کا اثر پدمات کے
 دل پر بہت ہوا۔ وہ بسنت پنچ کی پوجا کے بہانے اپنی سکھیوں کو لیکر مہادیو کے مندر
 پہنچی۔ جوگی راجہ اسے دیکھ کر ہوش کھو بیٹھا۔ پدمات جوگی کے سینے پر یہ کچھ کر چلی
 گئی کہ۔ جوگی تو نے بھیک حاصل کرنے سے لائق جوگ نہیں لیا۔ جب پھل ملنے کا
 وقت آیا تو سو گیا۔ رتن کو جب ہوش آیا تو رانی جا چکی تھی۔ مایوس ہو کر آگ میں جل
 جانے کا ارادہ کیا۔ دیوتاؤں کو اس کی خبر ہو گئی۔ انھوں نے مدد کرنے کی ٹھانی۔
 پاربتی نے پری کا روپ دھار کر راجہ کی محبت کا امتحان لیا۔ کامیاب ہو جانے پر
 مہادیو نے قلعہ میں داخل ہونے کا راستہ بتایا۔ رتن سین نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ
 جب داخل ہونے کی کوشش کی گرفتار ہو گیا۔ راجہ گندھرپ سین نے اسے سولی
 دینے کا حکم دیا۔ اس وقت مہادیو دوسرے دیوتاؤں کے ساتھ راجہ کے پاس آئے
 اور اسے سمجھایا۔ تو تے بھی بروقت آکر یہ راز فاش کیا کہ رتن سین جوگی نہیں چھوڑا راجا
 ہے۔ حقیقت معلوم ہونے پر رتن سین کا بسیاہ پدمات سے ہو گیا۔

ادھر چتوڑ گڑھ میں رانی ناگت اپنے شوہر رتن سین کی جُدائی میں تڑپ رہی تھی
 ناگت کی بقیاری دیکھ کر ایک پرندے نے اس کا پیغام اور خط رتن سین کو پہنچایا۔ خط
 پاتے ہی رتن سین، پدینی کو لیکر ہنسل دیپ سے رخصت ہوا۔ چارابھی آدھا سمندر میں
 تھا کہ رتن سین نے سمندر کے دیوتا کو ناراض کر دیا۔ سمندر میں طوفان آیا۔ کشتی ٹوٹ گئی۔ دونوں
 الگ الگ سمتوں میں بہہ نکلے۔ پدمات کی مدد سمندر دیوتا کی بیٹی نکشی نے کی اور رتن سین
 کی مدد سمندر کے دیوتا نے۔ اس طرح رتن سین پدینی کو لیکر چتوڑ گڑھ آ گیا۔

راگھو جیتن، رتن سین کے دربار کا سب سے بڑا پنڈت تھا۔ قریب کی علت
 میں راجا نے اسے جلا وطنی کا حکم دیا۔ پدمات کا برہمن کو ناراض کرنا پسند نہ آیا اس

اسے محل کے نیچے بلوا کر اپنا کنگن جھڑکے میں سے پھینک دیا۔ راگھو، رتن سین سے بدلہ لینے کے لئے دلی پہنچا۔ علاؤ الدین کا بہانہ ہوا اور پدینی کے حُسن کی تعریف کی۔

علاؤ الدین نے پدینی کو طلب کیا جس پر رتن سین جنگ کے لئے آمادہ ہو گیا۔ پہلی جنگ کے بعد علاؤ الدین نے صلح کر لی۔ رتن سین نے قلعہ میں سلطان کی دعوت کا بڑا اہتمام کیا۔ وہیں راگھو برہمن کی مدد سے علاؤ الدین نے پدینی کا عکس آئینے میں دیکھا۔ بعد میں رتن سین کو دھوکے سے قید کر لیا۔

رتن کے مخالف کھمبل میر کے راجہ دیوپال کو جب رتن سین کے قید ہونے کی اطلاع ملی تو اس نے راجا کی غیر موجودگی میں بد مروت سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ بعد ازاں پدینی نے گورا اور بادل کی مدد سے رتن سین کو آزاد کرالیا۔ دیوپال سے بدلہ لینے کے لئے رتن سین نے کھمبل میر پر حملہ کر دیا۔ دیوپال مارا گیا۔ رتن سین زخمی ہو گیا اور جانبہ نہ ہو سکا۔ رتن سین کے مرنے پر اس کی دونوں رانیاں ناگت اور پدموت سستی ہو گئیں۔

داستان کی حقیقت

داستان کے دو حصے ہیں جیسا کہ خلاصہ داستان سے ظاہر ہے۔ پہلا حصہ تخیلی داستان ہے۔ اس میں بولنے والے ٹوتے کی رہنمائی میں راجہ رتن سین سہیل جاکر پدینی کو بیہ لانا ہے۔ اس حصہ میں دیو مالائی عناصر یعنی دیوی دیوتاؤں کی مدد خیالی سمندروں، راکشسوں کی مردم آزاری اور اسی قسم کے متغدد تذکرے ہندوؤں کے دھارمک افسانوں سے شامل کئے گئے ہیں۔ دوسرا حصہ نیم تاریخی ہے جس میں راگھو نامی برہمن سے سلطان علاؤ الدین پدینی کا ذکر سن کر اس کو حاصل کرنے کے لئے چٹوڑ گڑھ پر فوج کشی کرتا ہے۔

مورخانہ نقطہ نظر سے داستان میں سچائی اور صداقت کا عنصر بہت کم ہے۔

ہے۔ لیکن اس سلسلے میں ضیاء الدین برنی اور دیگر مؤرخین رانی پدمادت کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ البتہ فرشتے نے مخقر الفاظ میں پدمادت کا تذکرہ کیا ہے۔ پروفیسر حبیب (یونیورسٹی علیگڑھ) نے امیر خسرو کی تاریخ علائی کے انگریزی ترجمے میں فتح چتوڑ گڑھ کے حالات کے تحت فرشتہ کا لکھا ہوا قصہ پدمنی فارسی سے نقل کر کے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ امیر خسرو کے بیان کے مقابلہ میں فرشتہ کا بیان مشکل ٹھہر سکتا ہے البتہ آئین اکبری میں اس کہانی کے زیادہ اجزاء ملتے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ چتوڑ کا راجہ رتن سین بڑا طاقتور راجہ تھا۔ اس کی بیوی پدمنی بہت خوبصورت عورت تھی۔ علاؤ الدین نے پدمادت کو حاصل کرنے کے لئے چتوڑ پر حملہ کیا لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ دوسری بار بھی ایسا ہی ہوا تو بارشاً نے راجہ کو صلح کا پیام بھیجا۔ رتن سین اس پر راضی ہو گیا لیکن علاؤ الدین نے اسے دھوکہ دے کر مار ڈالا اور چتوڑ پر قبضہ کر لیا۔ پدمنی نے جوہر کر لیا اور اس کے ہاتھ نہ آئی۔ یہ اور بہت سی باتیں آئین اکبری میں ایسی ہیں جن پر سچ ہونے کا گمان نہیں کیا جاسکتا۔

کرنل ٹاڈ نے بھی ”راجستھان“ میں اس کا ذکر کیا ہے اور قدرے تفصیل سے کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ جیمس چتوڑ پر راج کرتا تھا۔ علاؤ الدین نے پدمنی کے لئے حملہ کیا اور راجہ کو قید کر کے چتوڑ کے پاس ہی نظر بند کر دیا۔ پدمنی نے اپنے چچا گورا اور اس کے بھتیجے بادل کی مدد سے راجہ کو رہا کر لیا۔ گورا مارا گیا۔ بادل اور راجہ آکر قلعہ بند ہو گئے۔ بادشاہ واپس دلی چلا گیا۔ ۱۲۰۳ھ میں علاؤ الدین نے پھر چڑھائی کی۔ راجہ مارا گیا۔ پدمنی نے جوہر کیا۔ لیکن جائسی کی پدمادت پر بعض لکھنے والوں نے اس خیال کا بھی اظہار کیا

ہے کہ پدہنی کی ہستی بالکل فرضی ہے۔ اس نام کی کوئی عورت نہ تھی۔ علاؤ الدین کے
 عہد میں کوئی راجہ رتن سین نامی نہ تھا۔ البتہ وہاں کے راجہ اور علاؤ الدین میں سیاسی
 وجوہات کی بنا پر جنگ ہوئی تھی۔ سچ پوچھئے تو معتبر تاریخ فقط اتنی ہے کہ علاؤ الدین
 نے ۱۲۹۵ھ میں چٹوڑ فتح کرنے کے لئے فوج بھیجی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ ۱۳۰۳ء
 میں دوبارہ فوج کشی کی اور چٹوڑ گڑھ کو گھیر لیا۔ چھ ماہ کے محاصرہ کے بعد قلعہ فتح ہوا
 راجندر شکلا اس تعلق سے لکھتے ہیں کہ جائسی سے بہت پہلے اودھ کی
 لوگ کتھاؤں میں پیدماوت کی کتھا بہت پُرانی ہے۔ یہ قصہ پدہنی اور میرا منی توڑتے کے
 نام سے مشہور تھا۔ یہاں وہاں دیہاتوں میں رانی اور توڑتے کی کہانی آج بھی پُرانی
 جاتی ہے جس طرح جائسی نے بیان کی ہے۔ فرق صرف ناموں کا ہے۔ اس کتھا
 میں پہلی رانی جسے ناگمت کا نام دیا گیا ہے اپنا منہ آئینہ میں دیکھ کر کہتی ہے۔
 دیس دیس تو پھرے سوٹیا سورے روپ اور کہوں دوسے
 (اے توڑتے تو ملک ملک گھوما ہے۔ میری صورت کا کوئی دوسرا بھی ہے)
 تو تاجواب دیتا ہے۔

کا بکھا نو سہیل رانی !

تیرے روپ بھرے سب پانی !

(سہیل رانی کا کیا ذکر کروں تمہاری جیسی تو وہاں پانی بھرتی ہو)

پیدماوتی کتھا کے کچھ تانے بانے دو ایک پرانوں میں بھی ملتے ہیں جس میں پدہنی
 ایک راجا کی پتی ہے۔ شیونے اسے ورداں دیا کہ تاراؤں ہی تیرے پتی ہوں گے اور
 اگر کوئی دوسرا مرد تجھے پتی بھاؤ سے دیکھے گا تو اسی وقت ناری ہو جائے گا۔
 اس کے علاوہ راجستھان کی کہانیوں میں رتن سی راجہ کا ذکر ملتا ہے۔ یہ نام رتن

لے راجندر شکلا۔ جائسی گرن تھا دلی

اور آئین اکبری میں بھی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں امتداد زمانہ کے ہاتھوں تاریخ منسوخ ہو کر لوک گتھا بن گئی۔

ان متضاد اور ملتے جھلتے بیانات پر نظر ڈالنے سے یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ پدموات کے پلاٹ کا پورا ڈھانچہ اس زمانے کی مروج کتھاؤں اور نیم تاریخی واقعات پر قائم کیا گیا ہے۔ مزید برآں یہ کہ اس مثنوی کی تکمیل میں شاعر کا تخیل زیادہ کار فرما ہے۔ چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مثنوی پدموات جالسی کے شاعرانہ تخیل کی رہیں منت ہے جالسی نے روایتوں سے بھی کئی مقامات پر اختلاف کیا ہے۔ دوسرے بیابانوں میں راجہ اور سلطان میں صلح کے لئے عکس آئیے میں دیکھنے کی شرط رکھی گئی لیکن ملک محمد نے رشتہ طے کر کے طور پر نہیں حسن اتفاق سے یہ سب کچھ اس انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ افسانہ واقعہ معلوم ہونے لگا۔

پرمات کے فارسی دکنی اور اردو

منظوم ترجمے

فارسی

عادل خاں رازی
عبدالشکور ہنرمی

شمع و پروانہ
۱۰۶۵ھ

پدمات
۱۰۲۸ھ

دکنی

فاضل ولی دیلوری
غلام علی
سید محمد خاں عشرتی

رتن پدم

پدمات
۱۰۹۱ھ

دیک پتنگ
۱۱۰۰ھ

اُردو

عبرت و عشرت

قاسم علی بریلوی
خلیل احسن خلیل

شمع و پروانہ
۱۲۱۱ھ

پدمات
۱۲۸۶ھ

بختانہ خلیل
۱۳۳۲ھ

خلیل حسن خلیل کی پیدائش کے اردو منظوم ترجمہ پر قلم اٹھانے سے پہلے سب
معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دیگر منظوم ترجموں کا جائزہ بھی لے لیا جائے۔

جائسی کی اودھی میں لکھی ہوئی پیدائش کو اتنی شہرت ملی کہ دوسری زبان والے بھی
اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے اپنی زبان میں منتقل کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں
سب سے پہلے فارسی تراجم کا ذکر ضروری ہے کیوں کہ دکنی اور اردو والوں نے ان فارسی
منظوم ترجموں سے خاصا استفادہ کیا ہے۔

۱۔ عاقل خاں رازی نے ۱۶۵۷ء میں شمع و پروانہ کے نام سے اس کا منظوم
ترجمہ کیا۔

۲۔ عبدالشکور بزمی نے بھی ۱۶۲۸ء میں اپنی مثنوی میں پیدائش کو منظوم کیا۔

دکنی زبان میں جب ذیل ترجمے مثنوی کی صورت میں ملتے ہیں۔

۱۔ غلام علی دکنی نے بعد از ابو الحسن تانا شاہ ۱۰۹۱ھ م ۱۶۸۱ء میں پیدائش کو منظوم
کیا۔ اس کا ایک ناقص الآخر تلمی نسخہ انڈیا آفس میں موجود ہے۔ نصیر الدین ہاشمی کا خیال
ہے کہ یہ منظوم ترجمہ عبدالشکور بزمی کی فارسی مثنوی سے ماخوذ ہے۔

۲۔ سید محمد فیاض دیواری نے جائسی کی پیدائش کو رتن پدم کے نام سے منظوم کیا۔

یہ عالمگیر عید کے شاعر ہیں۔ حیدر آباد دکن ان کا وطن تھا۔ ثنوی کا سنہ تصنیف معلوم نہیں ہو سکا۔

۳۔ سید محمد خاں عسکریؒ "تنگ" کے نام سے پیدمات کا منظوم ترجمہ کیا سنہ تصنیف ۱۲۸۶ھ ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ سالار جنگ لاہوری حیدر آباد میں موجود ہے۔

شمالی ہند میں اردو کے جو منظوم ترجمے ملتے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے

- ۱۔ "شیخ و پروانہ"۔ عزت و عشرت۔ ۱۲۱۱ھ م ۱۲۸۶ھ
- ۲۔ پیدمات۔ قاسم علی بریلوی۔ ۱۲۸۶ھ م ۱۸۷۱ھ
- ۳۔ بیتخانہ خلیل۔ حافظ خلیل حسن خلیل مانکپوری ۱۹۱۲ھ

جہاں تک دوسرے ترجمے قاسم علی بریلوی کی منظوم پیدمات کا سوال ہے اس کے حوالے پیدمات کے اردو منظوم ترجموں کے ذکر میں یہاں وہاں ملتے ہیں "اردو کراچی ۱۹۵۱ء کے ایک مضمون میں بتایا گیا ہے کہ یہ ثنوی ۱۲۸۶ھ میں مطبع نوکلشور نکھتور نے شائع کی۔ ایک تحریر کے مطابق قاسم علی بریلوی نے جائی کی پیدمات سے براہ راست بیت بہ بیت اور دہرہ بہ دہرہ اردو زبان میں منتقل کیا۔ لیکن شاعر محاسن کی خوبیاں نہ ہونے کے سبب کم رتبہ ہے اس لئے گمنامی میں رہی۔ یہ گمان چند جین بریلوی کی اس ثنوی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ نسخہ بہت ضخیم ہے۔ سب بیانات کی تفصیل اسی طرح ہے جیسی کہ اصل پیدمات میں ہے لیکن اس نسخہ کی زبان اتنی ناقص ہے کہ اس کے مفصل بیانات بھی بے لطف ہو کر رہ گئے ہیں۔ مزوک اور غیر مزوک

۱۔ اس کا تذکرہ اشیر نگر اور اسٹورٹ نے کیا ہے مگر اب نایاب ہے (علی نقوش ڈاکٹر اصفیہ خاں)

۲۔ نصیر الدین ہاشمی۔ دکن میں اردو ص ۲۳۳

۳۔ فرمان فتح پوری۔ اردو کی منظوم داستانیں ص ۴۱۲

الفاظ، الفاظ کی غلط بیعت ان سب کی وجہ سے مطالب میں الجھن پیدا ہوئی ہے چونکہ انھوں نے ہندی کا لفظی ترجمہ کرنا چاہا ہے اس سے خیالات میں غرابت آگئی ہے۔
 مذکورہ بالا بیان کی روشنی میں قاسم علی بریلوی کا منظوم ترجمہ قابل اعتناء نہیں
 ٹھہرتا اس لیے خلیل حسن خلیل کی پرمادوت تنجائے خلیل کا جائزہ لیتے وقت تقابلی
 مطالعہ کے لئے میں نے عبرت و عشرت کے منظوم ترجمہ ہی کو پیش نظر رکھا ہے
 جو شمع و پروانہ کے نام سے موسوم ہے۔

شمع و پروانہ

پرمادوت کا پہلا منظوم ترجمہ شمع و پروانہ کھٹام سے ہے جو دو شاعروں
 عبرت اور عشرت کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ عبرت نے اسے لکھنا شروع کیا لیکن
 عمر نے دفنانے کی تمام نہ کر پائے۔ بعد ازاں اس کی تکمیل عشرت نے کی۔

عبرت

ضیاء الدین نام۔ عبرت تخلص۔ آبائی وطن شاہجہاں آباد۔ پروفیسر رام لال
 میں پائی۔ حکیم تھے۔ رامپور میں مطب کرتے تھے۔ اوائل عمر میں روسل کھنڈ
 آگئے تھے۔ یہاں رام لال کی ہریم سخن کے ایک شاعر محمد خاں امیر سے تعلق پیدا
 ہوا۔ یہیں انھیں شعور و سخن کا شوق پیدا ہوا۔ لڑاپ کے انتقال کے بعد مصطفیٰ خان
 عرف بنحو خاں کی لازمت میں آئے۔ فن شعر میں لڑاپ محبت خاں محبت کی شاگردی
 سے بہرہ ور تھے۔

مضامین کس طرح کرتا میں ایجاد نہ ہوتا مگر محبت خاں ساد استاد

عبرت ۱۸۸۱ء میں رامپور آئے اور ایک اندازے کے مطابق ۱۲۰۴ء تک زندہ رہے۔ ثنوی ان کی وفات سے پہلے نامکمل تھی۔ اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ۱۲۰۴ء سے پہلے ہی انھوں نے لکھنا شروع کر دیا تھا جسے وہ اتمام چھوڑ گئے۔ بعد ازاں اس کی تکمیل عشرت کے ہاتھوں ہوئی۔

عشرت

سید غلام علی نام۔ عشرت تخلص۔ بریلی کے ساکن تھے۔ ۱۲۱۱ء میں رامپور آکر یہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ لڑاب رامپور لڑاب نصر اللہ خاں بہادر سلطان کے عہد میں یہاں ملازم تھے۔ مرزا علی لطف کے شاگرد تھے جو مرزا رفیع سودا سے تلمذ رکھتے تھے۔ عشرت کے ایک دوست مرزا قدرت اللہ شوق کے مکان پر ہر جمعہ کو مشاعرہ ہوا کرتا تھا جس میں عشرت شریک ہوتے تھے۔ ایک روز شوق نے عشرت سے کہا کہ ان کے ایک مرحوم دوست بنحو خال کے کہنے پر عبرت نے ملک محمد جاسی کی پدمات (ہزبان بھاکا) کا اردو میں منظوم ترجمہ کرنا شروع کر دیا تھا لیکن جب کہانی راجہ رتن سین کے جوگی بن کر سنگلیپ جانے تک پہنچی تو عبرت کا انتقال ہو گیا اور ترجمہ نامکمل رہ گیا آپ اسے تمام کر دیں۔ چنانچہ عشرت نے دیرھ مہینے میں ترجمہ کر کے تاریخ اتمام نکالی۔

۱۸ غلام علی عشرت جھوٹا نے عبرت کے بعد اس کی تکمیل کی پدمات کے دیباچہ (۱۲۱۱ء) میں عبرت کی موت کو ۸۷ سال قبل کا واقعہ ظاہر کرتے ہیں اس لحاظ سے عبرت کی تاریخ وفات ۱۲۰۴ء یا ۱۲۰۵ء قرار دی جاسکتی ہے۔

کہا دل نے اسے دیکھے جو شاعر : بلا شک چلنے تصنیف دو شاعر

۵۱۲۱۱

شوق کی فرمائش کا ذکر عشرت اپنے ترجمہ کے آغاز میں یوں کرتے ہیں۔
 کہ عشرت پی کے توافقت کا اکھٹام مری خاطر سے کرے اس کو اتمام
 کہ اس میں روح بھی عبرت کی شہاد دُعائے خیر سے بھج کرے یاد
 غرض قصہ ادھورا رہ نہ جائے جو ہیں مشتاق ان کے کام آئے
 سوئیں نے شوق کی خاطر یہاں سے کہ ہیں مشفق مرے اعلیٰ جہاں سے
 اٹھا کر اپنی کلک درفشوں کو کیا تحریر یوں اس داستان کو

عبرت نے شمع و پروانہ کے آغاز میں بطور تمہید کچھ اشعار قلمبند کئے ہیں۔ ان
 میں انہوں نے ملک محمد جائسی کی پدماوت کا داستان ذکر کرنے کے بجائے
 صرف داستان کے دو اہم کرداروں رتن اور پدم کا ذکر کیا ہے اور کتاب
 کا نام شمع و پروانہ رکھنے کا اعلان کیا ہے۔

مجھے اس پر جو تا شیر سخن ہے جنوں سرایہ عشق رتن ہے
 رتن کے عشق کا شعلہ تھا سرکش پدم کے بھی لکاری دلو آتش
 وہ دونوں عاشق و معشوق ہو جمع جلے اکبار جوں پروانہ شمع
 اور ان کا لکھ کے میں نے قصہ آ مدلل شمع و پروانہ رکھا نام
 بعد کے اشعار میں قصہ کے ماحذ کے تعلق سے عاتق خاں رازی کی فارسی
 ثنوی کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

۱۔ اسی طرح تسلیم نے اپنی ثنوی ہجر عشق کا قطعہ تاریخ موزوں کیا ہے اور تاریخ
 یوں لکھا۔ مناسب سمجھ کر دم اختم شام : کہا دل نے رکھ۔ ہجر عشق نام

مگر مضمون عاقل خزانِ رازی کہ اس نے داستانِ یہ فارسی کی
 سو اس کی نظم کو تو دیکھ لاؤ بندھا ہو دے گا مضمون ایک دو
 رقم ہے یہ جو مضمون شعلہ بنیاد مری روشن طبعیت کا ہے ایجاد
 نہیں ہوگا یہ عبرت کا تقاضا کہ مضمون لا کے باندھوں میں پڑا
 میں غیروں کو ادب کرتا ہوں ارشاد میں اپنے عصر کا ہوں آپ استاد
 عبرت کے ان تہیدی اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے پیشِ نظر عاقل خزانِ رازی
 کی مثنوی رہی ہے چنانچہ مثنوی کا نام بھی وہیں سے لیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ان کا
 یہ دعویٰ بھی ہے کہ ان کا اردو ترجمہ رازی کے فارسی ترجمے سے مستفیض نہیں ہے ساتھ
 ہی یہ تعلیٰ بھی ملتی ہے کہ وہ جدت پسند ہیں اور پُرانا مضمون باندھنے کے عادی نہیں۔
 عبرت کے بعد عشرت نے قصہ کو کس طرح آگے بڑھایا اور ان کے سامنے
 کونسی مثنوی تھی اس بارے میں عشرت کچھ نہیں کہتے البتہ ڈاکٹر گیان چند جین کا
 کہنا ہے کہ عشرت نے عبدالشکور بزمی کی فارسی مثنوی پدمادت (۱۹۲۸ء) سے ترجمہ
 کیا۔ اس کی دلیل وہ یوں دیتے ہیں کہ اختلاف جو کچھ ہے وہ آخر میں ہے۔ عبرت
 نے جو حصہ نظم کیا وہ رازی اور بزمی دونوں کے یہاں یکساں ہے بعد میں جہاں
 اختلاف ہے وہاں بزمی کی پیروی کی گئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عشرت
 نے بزمی سے ترجمہ کیا ہے۔

ایک ہی مثنوی پر چونکہ دو شاعروں کا تصرف رہا ہے اس لئے جو ناہمواری آگئی
 ہے وہ حاف محسوس کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر پرکاش کی تنقید یہ ہے کہ ایک شاعر کی حیثیت
 سے عشرت کو کوئی مرتبہ حاصل نہیں۔ وہ نہایت معمولی قسم کے شاعر تھے اور ترجمہ کے
 اصول سے نا بلند تھے۔ انھوں نے پدمادت کے قسطے کو اردو جامعہ پھنسیا ہے۔ اس

اس کی کوئی ادبی حیثیت نہیں لے اس خیال کی تائید ڈاکٹر فرمان فختوری کے ان جملوں سے بھی ہوتی ہے کہ عشرت نے عبرت کے انداز بیان کو نبھانے کی کوشش کی ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عشرت کو عبرت کی طرح زبان و بیان پر ویسی قدرت نہ تھی۔ جو روانی عبرت کے اشعار میں ہے وہ عشرت کے یہاں نہیں ہے۔ گویا چنچل جی بھی اس پر مہر تصدیق یوں ثبت کرتے ہیں کہ عبرت کے بیانات شعریت کے لحاظ سے عشرت سے بہتر ہیں۔

اسی سلسلے میں یہ بات بھی لائق غور ہے کہ عبرت نے عاقل خاں رازی سے خوش چینی کا ذکر بھی کیا ہے اور توارذ کا اعتراف بھی لیکن حیرت کی بات تو یہ ہے کہ عبرت ملک محمد جاسی کا بیان کی پیدمات کا کہیں کوئی ذکر نہیں کرتے۔ عبرت کو معلوم تھا کہ پیدمات سب سے پہلے جاسی نے لکھی۔ ہو سکتا ہے کہ عبرت نے پلاٹ تو دی لیا جو جاسی اور رازی کا ہے لیکن اس کے متن سے استفادہ نہ کرتے ہوئے انھیں عنوانات کو اپنے طور پر نظم کیا ہے۔ برخلاف اس کے ایک محقق دلدار حسین دوسرے محققین کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یقینی طور پر عبرت کا ماخذ جاسی تھا عاقل خاں رازی نہیں۔ اپنے بیان کے ثبوت میں انھوں نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ عبرت کے استاد محبت خاں خود بھاکا کے شاعر تھے اور انہیں کے ذریعہ اگر عبرت کو بھی بھاکا سے دلچسپی پیدا ہوتی ہے تو یہ بات عقل اور قیاس کے مطابق ہے۔

* لے ڈاکٹر پرکاش موئس۔ ہماری زبان۔ ۲۲، اپریل ۱۹۷۲ء ص ۶

۱ لے فرماں فتح پوری۔ اردو کی منظوم داستانیں۔ ۱۹۷۱ء

۳ لے ڈاکٹر گیان چند جی۔ اردو شہنوی شمالی ہند میں۔ ص ۳۸۷

۴ لے دلدار حسین۔ اردو پیدمات۔ آجکل مارچ ۱۹۶۱ء ص ۶

شمع و پروانہ کا سنہ تصنیف جیسا کہ لکھا جا چکا ہے ۱۲۱۱ھ ہے۔ لیکن اس کا پہلا نسخہ کب طبع ہوا اس کا سراغ نہیں ملتا۔ البتہ مختلف ادوار میں مختلف مقامات سے یہ مثنوی شائع ہوتی رہی۔ اس کے کئی اڈیشن میری نظر سے گزرے ہیں۔ کسی نے پد اردو نام رکھا اور کسی نے شمع و پروانہ۔ ۱۸۷۲ء میں مطبع گلستان کشمیر بمبئی سے ۱۸۸۵ء میں اور ۱۹۲۱ء میں لوک شورش کانپور (بار پنجم) سے اور ۱۹۲۸ء میں قطب الدین احمد نامی پریس لکھنؤ سے اس کے اڈیشن نکلے۔

شمع و پروانہ کے جملہ اشعار کی تعداد ۲۳۳۶ ہے۔ عبرت نے صرف ۱۳۳ اشعار رکھے باقی ۲۲۳ اشعار عشرت کے ہیں یعنی تقریباً تین چوتھائی عشرت کی فکر کا نتیجہ ہے۔ مثنوی بحر بربج میں ہے جس کے ارکان ہیں مفاعیلن مفاعیلن فعولن۔ عام مثنویوں کی طرح آغاز حمد سے ہوتا ہے۔ بعد ازاں مناجات، پھر پیر طریقت کی منقبت استاد محبت خاں کے اوصاف اور فیض اللہ خاں کی مدح ہے۔ مثنوی کے ان رسمی لوازمات کے بعد عبرت نے اپنی جدت سے ایک نئے عنوان ”تعریف قلم سحر کار کی“ کا اضافہ کیا ہے جس میں شاعر قلم سے سوال کرتا ہے اور قلم جواب دیتا ہے۔

ابتدائی صفحات میں ہندوستان جنت نشان کی تعریف ہے اور اس کے ساتھ ہی ہندوستانی عشق کی نوعیت پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد پدموات کی پیدائش سے داستان کا آغاز ہوتا ہے جو اتمام تک پہنچتا ہے۔

بتخانہ خلیل (پداوت)

حافظ خلیل حسن خلیل۔ مقام پیدائش مانکپور۔ جلیل مانکپوری کے برادر کلال ہیں۔ انہی وقت کے استاد شاعر تھے۔ امیر مینائی امیر سے تلمذ حاصل تھا۔ ان کی شاعری کا چرچا لکھنؤ اور دیگر مقامات تک ہو گیا تھا۔ اسی شہرت کی بنا پر مہاراجہ جھگوتی پرشاد والی سیاست بلرام پور نے انھیں مانکپور سے بلوا کر شاعر دربار بنالیا تھا وہاں خلیل کی حیثیت راج کوی کی تھی تا دم آخر اسی ریاست سے منسلک رہے۔ وہیں وفات پائی۔ دیگر اصناف سخن کے علاوہ مثنوی گوئی میں بڑا نام پیدا کیا۔ پانچ مثنویاں نظم کیں جو ریاست کی طرف سے ۱۹۱۴ء ۱۳۳۲ھ میں ”پنجہ نگاریں“ نام سے مطبع مقید اگرہ سے شائع ہوئیں۔

- ۱۔ بتخانہ خلیل (پداوت جاتسی) ۲۔ بستکہ خلیل (طبعزاد)
- ۳۔ دشینت شکنتلا (کالیداس) ۴۔ میگھ دوت (کالیداس)
- ۵۔ فیروز سلمہ (طبعزاد)

ان میں پہلی مثنوی بتخانہ خلیل ملک محمد جاتسی کی پداوت کا منظوم ترجمہ

ہے جو ہماری اسی کتاب کا عنوان ہے۔

اس مثنوی کے ٹائٹل کی عبارت یوں ہے :

پہلی شتوی بتخانہ خلیل

نتیجہ فکر

جناب حافظ خلیل حسن صاحب المتخلص بہ خلیل
در مطبع مفید عام آگرہ باہتمام محمد قادر علی خاں فی طبع شد
۱۳۳۲ھ ۱۹۱۲ء

یہ شتوی ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے اشعار کی تعداد دو ہزار دو سو بیس
ہے جہاں تک ماخذ کا سوال ہے کتاب کے آغاز میں داخلی شہادت ملتی ہے کہ خلیل
نے ملک محمد جانی کی داستان پر اپنی شتوی کی بنیاد رکھی ہے۔ عبرت کے منظوم ترجمہ سے
بھی وہ واقف تھے۔ کہتے ہیں:

نیا گرچہ کوئی یہ قصا نہیں مرا خاص کوئی یہ حصا نہیں
ملک یہ فسانہ ہمایاں کر چکا وہ بھاکے میں اسکو عیاں کر چکا
جو کچھ بچ گیا اس سے اور رہ گیا تو اردو میں عبرت اُسے کہہ گیا

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جانی کی یہ مادت بھی ان کے پیش نظر رہی ہے اور
وہ شتوی بھی جو جمع و پروانہ کے نام سے عبرت و عشرت نے منظوم کی۔ گمان غالب
ہے کہ خلیل اودھی بھی جانتے تھے کیوں کہ ان کے ذخیرہ کتب سے رجوع و رشہ میں مجھے
ملتا ہے (میں نے) مجھے جانی کی وہ کتاب بھی ملی ہے جو ہندی رسم خط میں ہے اور جس کے
حاشیہ پر ان کی تحریریں بھی موجود ہیں۔ اس کتاب کا حوالہ ان کے ایک اور شعر میں
بھی ملتا ہے۔

اب آگے ہے یہ داستان اس طرح

ملک نے کیا ہے بیاں اس طرح

جاسی کی پیدماوت
خصوصیات

جاسی کی پدمات کی خصوصیات

تجاذ خلیل کے مکمل مطالعہ سے قبل یہ دیکھنا ضروری ہے کہ خلیل نے اصل پدمات سے کتنا گریز کیا ہے اور عبرت و عبرت نے کیا انداز اختیار کیا ہے۔ چنانچہ جاسی کی پدمات کی خصوصیات پر ایک نظر ڈالنی ہوگی۔ کئی عنوانات کے تحت اس کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔

۱. تصوف و معرفت

جاسی کی پدمات درحقیقت تصوف و معرفت کا سرچشمہ ہے جو اس کی شہرت کا ایک اہم عنصر ہے۔ ملک کے عہد میں مذہبیت جاسی میں غالب تھی اور تصوف بھی اپنے انتہائی کمال کو پہنچ چکا تھا۔ جاسی نے آنکھ کھولی ارادت اور عقیدہ مندی کی آغوش میں۔ پروان چڑھے تصوف کے سایے میں اور جان دی دونوں کے آتلے پر ہی وجہ ہے کہ مذہب اور تصوف دونوں کی جھلک ملک کی تمام تصانیف میں نمایاں پائی جاتی ہے۔ ان کی پدمات بھی جو بظاہر عشقیہ شاعری ہے اس کی داستان تصوف کے سہارے آگے بڑھی ہے۔ ملک نے عشق مجازی کے پلاٹ میں ایسے سچویشن فراہم کئے ہیں جن میں تصوف کے نکات معرفت کے اسرار اور سالکان طریقت کے منازل و معاملات کی تشریح کی ہے جو فی مسک اور اس کے اصول کو ایک عشقیہ کہانی کے پلاٹ میں پیش کیا ہے۔ یعنی

ایک راجہ راجہ کی راجہ کی خوبصورتی سن کر اس کے عشق میں مبتلا ہو جاتا ہے اس کو حاصل کرنے کے لئے جوگی بن کر نکلتا ہے۔ مشکلات و بلاؤں کے پتھر سے سمندر پار

کرنے کے بعد اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے لیکن مصیبتیں اس کا سچا نہیں
چھوڑتیں۔ وہ اس کو اس کے مقصد سے دُور رکھنا چاہتی ہیں۔ ان پر قابو پانے کے
بعد ہی دونوں کا ملن ہوتا ہے۔ ملک اس تعلق سے خود لکھتے ہیں۔

”میں نے اس کے معنی پتا توں سے سمجھے۔ انھوں نے کہا کہ

ہم کو اس کے سوا اور کچھ نہیں سوچتا کہ بہت طبعی آسمان

اور بہت طبعی زمین انسان کے جسم میں موجود ہیں۔ چنانچہ

اس نظم میں تن سے چوڑ۔ روح سے رتن سین دل سے

سنگلیپ۔ پدماوت سے معشوق حقیقی۔ تو تے سے مرشد

ناگمتی سے دنیا۔ راگھو سے شیطان۔ علاؤ الدین سے ہواؤ

ہوں مراد ہیں۔ اس کو محبت کی کہانی سمجھو یا جو کچھ چاہو

شمار کر لو جو اس کو سنے گا۔ محبت حاصل کرے گا۔ مٹی

نے خون جگر کر کے اس کو جوڑا ہے۔ رگو محبت میں میری

انکھیں بہتی آسوں میں اود میں نے یہ جان کر یہ کتاب لکھی

ہے کہ یہ میرے واسطے یادگار کا ذریعہ یہ ہے گی۔ اے

اس نقطہ نظر سے مثنوی کو پڑھا جائے اور غور و تعمق سے کام لیا جائے تو معلوم

ہو کہ اس میں جگہ جگہ امراض روحانی سے خبر داری ہے حصول عرفان کے نسخے ہیں

سائلک طریقت کے منازل و مراحل کے نشان کے لئے جنگلوں، پہاڑوں اور دریاؤں

کی سیر کرائی ہے۔ سنگلیپ سے چوڑ گلوہ کی طرف واپسی فنا فی اللہ کے بعد تقابل اللہ

کی تمثیل ہے۔

لے شیخ احمد علی۔ پدماوت، بخط فارسی۔ ۱۸۶۱ء۔ ص ۶۲

لے امیر احمد علوی۔ ملک محمد جاشی کی پدماوت۔ نگار جولائی ۱۹۳۳ء ص ۲۶

پدماوت کا رُوپ چونکہ عشقیہ کہانی کا ہے اس لئے صوفی مسلک و ^{فضیلت} دویا
کی باتیں واقعات کے بیچ بیچ میں شامل کر دی گئی ہیں۔ مثلاً
رتن سین لوتے سے پدمنی کے حُسن و جمال کا ذکر سن کر نادیہ عاشق ہوجاتا
ہے اور راج پاٹ چھوڑ اس کے لئے جوگ اختیار کرتا ہے۔ اس بیان میں جائی
نے معرفت کی چنگاری یوں ڈالی ہے۔

”لوتے کی باتیں سن کر (جو مُرشد کامل ہے) راجہ کو ہوش آیا۔

دل کی روشنی میں نورانی بہشت (مُعکلیپ) دکھائی دی۔

دُنیا اس کی لنگاہ میں تار یک ہو گئی۔ راجہ کی نظریں دولت

دنیا سے فوراً پھیر گئی۔ اس دُنیا کو نا پائیدار سمجھ لیا۔ جب اپنا

محبوب ہی اپنے قبضہ میں نہیں تو چاہے دُنیا آباد ہو یا ویران

مقاومت کی چنگاری مرشد کامل نے ڈال دی جو اس

کو بڑھلے ہوادے و ہا مرید و معتقد ہے۔ اب مثل

پتنگا بھونرے کی صورت اختیار کروں گا“ لے

اسی طرح دھال کے ذکر میں بھی دس معرفت کے چھٹے کس استعاراتی پیرایہ میں دیئے ہیں۔

”لُوخیز پدماوت نے عاجزی سے کہا بہترین خوبصورت ماحی

سے شراب نوش کیجئے حکم محبوب بسرِ چشم قبول کروں گا۔

جو فرمائش ہوگی بجالاؤں گی لیکن اے پیارے میری ایک

بات سن کہ شراب محبت (بادۂ عرفاں) کا نہرہ حقوڑا حقوڑا

ہے۔ شراب محبت کا نہرہ اسی میں ہے کہ کسی کو گمان نہ

ہو کہ کسی نے دیا اور کسی نے نوش کیا شراب انگوری کا

پینا ایک بار کافی ہے۔ دوبارہ پینے سے نشہ تباہو

ہو جاتا ہے جس نے ایک بار شراب پی کر صبر کیا اس

نے زندگی کا مزہ اور شراب کی لذت پائی ہے لے

یا تو تاج پدماد کے پاس آ کر اس کے لئے رتن سین کے جوگ لینے کا
حال کہتا ہے اور طنز کرتا ہے کہ تو ایسی بے دردی ہے کہ اس کی بات بھی نہیں پوچھتا
تو پدماد جواب دیتی ہے۔

”اگر میں چاہوں تو اس سے آج ہی مل سکتی ہوں لیکن اسرار

محبت کی گہرائی وہی جانتا ہے جو اس میں ڈوب کر فنا

ہوتا ہے۔ میں جانتی ہوں وہ ابھی کچا ہے کیوں کہ ہنوز

محبت کا رنگ اس پر نہیں چڑھا۔ جو شخص ابھی تک بھونک

کے رنگ میں نہیں ہوا۔ جو آفتاب ہو کر آسمان پر نہیں

چڑھا۔ جس شخص کا خوف ابھی دل سے نہیں گیا وہ کامل

نہیں ہوا۔ میں اس کی پیاس کیا سچاؤں؟“ لے

اس قسم کے مکالموں سے یہ عشقیہ مثنوی بھری پڑی ہے۔ اس کے جتنے حصے
نمونے یہ ہیں :

”اے راجا تو نے گدڑی کیا بہنی۔ تیرے جسم میں تو کئی راستے

(رحاس) شہوت، غصہ، حرص، گھمنڈ، ثروت ہیں۔

یہ پانچوں راہیں جسم کو آزاد نہیں چھوڑتے جسم میں نقب

لگاتے ہیں اور راتوں رات مشعل جلا کر گھمراؤں لیتے ہیں۔“

”تو ہوس کو قابو میں رکھ نفس پر قبضہ کر۔ اگر مرنا ہی ہے

تو خود کو بڑا بے ظاہر میں دنیا داری کر اور باطن کو محبوب

بلادے خودی اختیار کر کے تو نے دانشمندی کھودی۔
 تو نے خودی کو مٹا دیا تو سب کچھ ہے۔ اگر اکیلا بھی مڑا لکھا
 تو پھر موت سے مرنے والا اور ماننے والا کون؟ تو خود
 مرش ہے اور تو ہی مرید۔ سب کچھ آپ ہے اور تمہارا
 بھی آپ ہے۔“

”جو مجبور ہوتا ہے وہ آگ پر نظر نہیں کرتا۔ آگ کے مقابل
 ہو کر جل جاتا ہے۔ پیچھے نہیں پھرتا۔“
 ”عشق کی راہ میں ہنر کو کس درجے اور ایسی باریک ہے
 کہ چیونٹی نہیں چل سکتی؟“
 ”آخر کار یہ بدن خاں ہو جائیگا اور مرنے کے بوجھ سے
 مٹی فریہ ہو جائے گی؟“

”میں رانی پدمات ہوں اور ساتویں آسمان پر میرا مقام ہے۔
 اس کے ہاتھ لگوں گی جو اپنے آپ کو پہلے فنا کر دے۔“

۲۔ فوق الفطرت عناصر اور دلیو مال

جیسا کہ پدمات میں فوق فطرت عناصر بھی ہیں اور دلیو مالانی کردار بھی
 انہیں سے سہارے پلاٹ کو پھیلا یا ہے اور آگے بڑھایا ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا
 جا چکا ہے کہ پدمات کی داستان پورے طور پر طبع آزمائی ہے۔ انھوں نے مروج
 داستانوں، لوک کہانوں اور نیم تاریخی واقعات سے اس کے تانے بانے
 بنائے ہیں۔ ہمارے دور اول کی داستانوں میں بھی انھیں عناصر کا زور شور نظر آتا
 ہے۔ سحر البیان اور گلزار نسیم اس کی مثال ہیں۔ شاید سب اس کا یہ ہو کہ انہی
 محیر العقول باتوں کی وجہ سے قسط دلچسپ بنتا ہے اور انھیں کی وجہ سے

تجیر و تعجب میں اضافہ ہوتا ہے۔ سحر الہیان کے پناٹ میں کے مختلف اجزائیں نجومیوں کی پیشین گوئی، کل کا گھوڑا، پری اور دیو وغیرہ دوسری داستانوں میں بھی ملجاتے ہیں۔ یہی حال جائسی کی پیدمات کا بھی ہے۔ فرق یہ ہے کہ انھوں نے ہندی دیوتاؤں کے عناصر سے بہت کام لیا ہے۔

ملک محمد کو ہندوؤں کی روایات اور دیول سے متعلق درسی اور خارجی معلومات تھیں۔ گریسن نے چند ریکا کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ جائس اگر ملک محمد نے سنسکرت عروض اور زبان کی واقفیت پنڈتوں سے حاصل کی تھی۔ سنسکرت کے اشلوکوں اور پرانوں کے کرداروں سے خامی جانکاری تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو تعلیمات کا استعمال جا بجا ملتا ہے۔ مثلاً

”توتے نے راجا سے کہا اے راجہ تو اقبال میں راجہ کم ہے اور ہریشچندر کی طرح راستیاز۔ تو تو ریاضت میں گویا چند سے بھی بڑھ گیا۔ اور مفارقت میں بھر تری سے بھی بازی لے گیا۔ تجھے گور کھنا تھ نے کمال عطا فرمایا تھا اور گرو مچھندر نا تھ نے دستگیری کی تھی؟“

”اب اگر تو آفتاب کی طرح آسمان پر چڑھ جائے اور راہو بن جائے تو چاند کو پاسکتا ہے۔ اس طرح بہت سے لوگ جان پر کھیل چکے ہیں۔ صرف تو ہی نہیں بکراجیت محبت کے دروازے میں گھسا اور سپنات کے عشق میں تحت الشری کو گیا۔ کھنڈر ادت کے عشق میں واجہ بھوج بیراگی ہو کر گنگا پور تک گیا اور مرگا دتی کے لئے جوگی بنا۔ کنور نے کھنڈر ادت پر فریفتہ ہو کر جان دی۔ مادھو نے ماتلی کا جذباتی برداشت کی۔ راجہ ستر پادت کیلئے

چٹائی جل گیا اور اوکھا کے لئے قید میں پڑا۔“

”احسن یہ ہے وہ جس نے گھر کی ثورت پر عمل کیا۔ رام سیتا کو ازراہ محبت اپنے ساتھ رکھتے تھے اس نے راو کا ساتھ دیا۔ راجہ بھرتری کے گھر میں سولہ سوراخیاں تھیں اور سرپستان سے اس کے تلوے سہلائی تھیں۔ جب وہ جوگی ہوا تو کس نے اس کا ساتھ دیا؟“

”قلعہ پر چڑھتے ہوئے جب جوگی رتن سین پر آفت آئی تب مہادیو کا آسن اپنی جگہ سے ہلا اس نے ہسکرائی پتی پاربتی سے کہا: معلوم ہوتا ہے کہ آج جوگی کے قتل کا سامنا ہے۔ پاربتی یہ سن کر مہادیو کے چرلوں میں گر پڑی اور کہا اے مہادیو جلو ذرا ہم بھی دیکھیں۔ اور تب مہادیو اور پاربتی اپنا بھیس بدل کر جوگی کے پاس آئے۔“

”رتن سین مہادیو کو الزام دیتا ہے۔ اے پیچھے دیو! کس قدر میں نے تیری پوجا کی۔ مبارک جان کر تیرے قدم بکڑے لیکن تو میرے حق میں تو تے جیسا ہو گیا۔ پچ ہے ستھار خدمت سے کہاں پسیتجا ہے۔ اسے کتنا ہی تر کیا جائے تمام عمر سبز نہیں ہوتا۔ میں دیوانہ تھا جس نے اے مہادیو تجھے پوجا۔“

”رتن سین جب سمندر میں آیا اور کٹار نکال کر اپنی گردن کاٹنا چاہا، اتنے میں سمندر بہمن کی صورت بنا کر ظاہر ہوا۔ ماتھے پر تنک چودھویں رات کے چاند کی طرح تھا۔ ہاتھ میں سونے کی ہسیا کھی۔ کانوں میں مندر سے اور

جینوا کا مذہب یہ ہے۔ آکے یہ بات کہی لے کنور چھ سے
 باتیں کہہ۔ کس واسطے اپنے قتل پر تو آمادہ ہے۔“

۳۔ تفصیلات و جزئیات

جائسی نے اپنی داستان کے بہت سے مقامات پر بڑی تفصیلات
 و جزئیات سے کام لیا ہے۔ مثلاً سراندرپ شہر اور اس کی عمارتوں کا بیان، راجا جابل
 کی شان و شوکت باغ کی سجاوٹ، پھولوں کے اقسام، زیورات اور بناؤ سنگار
 کے لوازمات کے کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ مثلاً

عورتوں کے بناؤ سنگار کے ذکر میں جائسی سولہ سنگار کا ذکر بڑی تفصیل
 سے کرتے ہیں۔ بدن میں اٹھن لگا کر غسل کرنا۔ جوڑا باندھنا، مانگ میں سینہ در بھرنا،
 ہاتھوں میں لگن۔ گلے میں مالا، کان میں حلقے، ہاتھوں اور پاؤں میں ہندی، لبوں
 پر ہستی کی دھڑی اور کمر میں کمر دھنی وغیرہ۔

علاء الدین سلطان کے سامنے راگھو بہمن بدھ موت کا سراپا کھینچنے
 سے پہلے ہنڈیوں کے شاستروں کے مطابق عورتوں کے اقسام اور ان کی صفات
 کا ذکر لیا کرتا ہے:

”سر اور پاؤں ہستی کے موٹے ہوتے ہیں۔ گردن چھوٹی
 سینہ تنگ۔ کمر موٹی مثل ہاتھی کے پنجوت۔ گینڈے
 کی چال۔ غیر دسپائل۔ خوراک بہت۔ صفائی پاکیزگی کم۔
 شو قین مزاج۔ سانس میں بدبو۔ خیالات بدمانند دلوں کے۔
 سکھمی۔ قوت بہت، خوراک کم۔ سینہ چوڑا اور فرسہ۔ کمر
 باریک۔ مغرور۔ نڈر۔ غصہ آور۔ اپنی صورت پر فریفتہ
 چال شیر کی۔ قدم ڈھیلے۔ کھال جسم کی موٹی۔ شوہر کے

پاس جانے تو سنے یہ ناخن گاڑ دے۔ چیرتی۔ دانا بخت
 والی۔ نہایت حسین۔ مزاج میں صفائی۔ ہنس ٹکھ۔ احاطہ
 گزار۔ چاند کا سابدن۔ کنول کی طرح گوری۔ چال اس کی
 ہنس جیسی۔ پان اور پھول کی دلدادہ۔ رنگ محمد کا پھول۔
 پدنی۔ پدم کا سارنگ۔ بدن پدم جیسا خوشبودار۔ قدر نہ
 بہت لانا اور نہ بہت چھوٹا۔ نہ بہت بڑی اور نہ موٹی۔
 چار چیزیں اس میں دراز اور چار کوتاہ۔ سولہ صفوں میں
 کامل۔ سولہ سنگار میں لوری۔

یاجب پدماوت مہادیو جی کے مندر کو جاتی ہے تو چھتیس توہ یا فات کی عزت
 اس کے ہمراہ رہتی ہیں۔ اس کی تفصیل جاسی نے بڑے خوبصورت انداز سے
 دی ہے۔

”برہمنیاں نتراکت سے ہزار مل کھاتی چلیں۔ اگر دال خور
 مثل ہاتھی کے ستانہ چال چلیں۔ دیش ناریاں مانند
 ہنس کے قدم رکھتی تھیں۔ چوہان عزتیں پازیب جھکاتی
 چلیں۔ ٹھٹھیرن سب بن ٹھٹھن کے چلین اہیرن سا جل آنکھوں
 میں لگا کر بڑھیں۔ گوجری دودھ لے کر ٹھٹھکی چلیں انہیں
 بارگوندہ کر چلیں۔ بکھوات میں شراب محبت سے سرشار تھیں
 تہنوں میں پان کا بیڑا منہ میں رکھ کر چلیں۔ تہوار میں بانگی رنگا
 لئے، بنیا عورتیں مانگ میں سید در بھرے رنگریز
 سرخ ساریاں پہنے اور ٹنیا ہنتی سگاتی اور ناپتی چلیں۔“
 باغ کے پھولوں اور پھولوں کے اقسام اتنے گناے ہیں۔
 ”مارنگی۔ لیمو سبکتے۔ بادام۔ انجیر۔ انار۔ انگور

کشتی، سیب، ہزار پوری، شہتوت، گردنہا، ہیر
چردنجا، سیڑا، چنیا۔ چنبلی، ناگیرو گیندا، پارسنگار
سیوتی، مدالمتی، جوی، سون اور بیلا وغیرہ۔

یا مہیشور جب جدای کے بھیس میں رتن میں کے پاس آتے ہیں :
”جسم پر ہڈیوں کی گڈری۔ گلے میں آدمیوں کے ٹرن
کی مالا۔ بدن پر بھجھوت۔ گلے میں اڑھے کا ہار۔
ہاتھی کی کھال اوڑھے۔ پہنچوں میں گنے کی مالا۔ ملتے
پر چاند کا تلک اور ہاتھ میں گتھنچے“

۴۔ ناز کنجیا لیاں :

جائسی کی پرمادت کا ایک اور علمی دادنی وصف اس کی شاعرانہ ناز کنجیا لیاں
ہیں۔ یہ نزاکت و نیر اور پرواز خیال جائسی نے سنسکرت ادبیت عالم کے
مطالعہ سے حاصل کی ہے۔ یہاں چند مثالیں بطور نمونہ دی جاتی ہیں تاکہ جائسی
کے انداز فکر کا اندازہ ہو۔

”چیتا اس کی کمر کے آگے ہار گیا اور جھگل میں رہنے لگا“
”مٹے بھونرے اور بے کوئے امیر پیغام شوہر سے اس طرح
کہو کہ وہ عورت آتش سفارت میں جلی کر مر گئی اور اس
کے دھوپ سے ہم سیاہ ہو گئے“

”صحیحی اس جسم کو جلا کر خاک کر دوں گی اور ہول سے کہوں
گی کہ اس خاک کو اڑا دے۔ شاید میری خاک اڑ کر اس
راتے میں پڑ جائے جہاں محبوب اپنے قدم رکھتا ہو“
”ہنس پانی بھر سے ہونے نالاب میں رہتا ہے اور خوشک

ہو جانے پر چھوڑ دیتا ہے لیکن کنول کا پھول اپنے محبوب کو نہیں چھوڑتا۔ خواہ تالاب میں کیچڑ ہی رہ گیا ہو۔“
 ”پہنی کی خواہشیں جب سیدوری ساٹیاں پہن کر خراں خراں چلیں تو ایسا معلوم ہوا کہ تمام روئے زمین پر چراغ جل گئے۔“

”میں جس پر نگاہ ڈالتی ہوں اسی جگہ وہ جان دیدیتا ہے اسی خوف سے میں نکلتی نہیں کہ خوں ناحق کا عذاب کون اپنے سر لے۔“

”یہ ایسی نازک بچائی گئی تھی کہ کوئی جھونے نہیں پاتا تھا جو کوئی دیکھے اس کو تو بارنگاہ سے لغزش کئے پاؤں دھمنا کیا۔“

”میں کس کے ذریعہ اپنے بچھڑے نشوونما کو پیام بھجول۔ جس پرندے کے نزدیک کھڑی ہو کر حال کہتی ہوں وہ میرے ہجر کی آگ سے جل جاتا ہے۔“

عورت اور زمین تلوار کی لڑائی ہیں۔ جو تلوار کے زور سے جیتے اسی کی ہیں۔“

”چاند اور سورج میں جو پدمادت جیسی روشنی ہوتی تو دن پہاڑ ہو جاتا یعنی کلٹے نہ کٹتا اور رات کبھی ہوتی ہی نہیں۔“
 ”بھونرا جس نے مانسرو کی ہمت باندھی تب اس نے کنول کا رس لیا گھن (کیڑا) جو اس کی جرأت نہ کر سکا اس کی غذا کا دار و مدار چوب خشک ہی پر رہا۔“

جانشی کی پیدمادت سے مترجم کا انحراف

ملک محمد کی پیدمادت کی ان خصوصیات کو پیش نظر رکھ کر خلیل کے ترجمہ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ہندی پیدمادت کی بعض خصوصیات کو نظر انداز کیا ہے۔ مثلاً تصوف و معرفت کا عنصر جو جانشی کی پیدمادت کا اہم گوشہ ہے اس سے بُتخانہ خلیل یکسر عاری ہے۔ انہوں نے اس عنصر سے انحراف کر کے اپنی شئوی کو مکمل طور پر عشقیہ شئوی بنا دیا ہے اور اب بھی اس شئوی کی خصوصیت قرار پاتی ہے۔ جہاں جہاں اصل شئوی میں ایسے مواعظ آئے تھے انھوں نے اس سے صرت نظر کر کے بلاط کے واقعات کو اس طرح جوڑا ہے کہ کہیں جھول گئے ہیں دیا۔ ”سمع و پر و انہ“ میں بھی یہی صورت اختیار کی گئی ہے۔

تفصیلات و جزئیات پر بھی خلیل نے زیادہ توجہ نہیں دی ہے۔ لکن کے یہاں اگرچہ بڑی حد تک میر حسن کی سحرالبیان کی تقلید ملتی ہے لیکن یہ زیادہ تر زبان و بیان اور اسلوب کی حد تک ہی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ جانشی میر حسن، یا گلزار نسیم کے احوال کی مبالغہ آرائی اور تصوراتی خیالی اجزائے شئوی کی آراستگی کی صنعت خلیل کے زمانے تک دور از کار ہو گئی تھی اور داستانوں کو حقیقت سے قریب لانے کا انداز چل پڑا تھا۔ البتہ کہیں کہیں باشعور بھولوں یا زیورات اور سنگار کے لوازمات کا بیان قدرے تفصیلات سے ملجاتا ہے۔

نازک خیالیوں سے انحراف کا سبب بھی اقتضائے زمانہ ہے۔ شاعری سادگی کی طرف مائل تھی۔ اس کے علاوہ جانشی کی نازک خیالیوں کی جو مثالیں اوپر پیش کی گئی ہیں ان کو دیکھتے ہوئے یہ نتیجہ نکالنا دشوار نہیں کہ اس سے عہدِ برآ

ہونا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ عام شمولوں کی روش اختیار کی گئی۔ خلیل نے جانی سے صرف داستان اور ان کے ذیلی عنوانات لئے ہیں۔ اسلوب و بیان ان کا اپنا ہے جہاں تک دیولالائی عناصر کے برتنے کا سوال ہے۔ جانی کے اس عنصر سے بھی خلیل نے مکمل طور پر گریز کیا ہے۔ البتہ تو ناجو داستان کا اہم کردار ہے اور جسے کسی صورت میں خارج نہیں کیا جاسکتا تھا برقرار رکھا ہے۔ اس ایک کردار سے قطع نظر بتخانہ خلیل میں کوئی اور دیولالائی کردار نظر نہیں آتا۔ جہاں ہمیں پلاٹ کو آگے بڑھانے میں دشواری پیش آتی ہے خلیل نے دیوی دیوتاؤں کے نام تبدیل کر کے انسانی کرداروں کو ان کی جگہ دیدی ہے۔ مثلاً سمندر کے دیوتا اور اس کی نکستی کی جگہ (جورتن سین اور پدماوت کو سمندر کے طوفان سے بچاتے ہیں) انھوں نے ایک درویش سردار اس نکی دختر کو دی ہے۔ اس طرح اس تبدیلی سے پلاٹ پر کوئی اثر نہیں پڑا ہے۔

جانی کی پدماوت کے اس عنصر کو شع و پروانہ میں عبرت و عشرت نے نبھایا ہے۔ پارتی راجہ رتن سین کی محبت کا امتحان لینے کے لئے اپنی صورت پر یوں کی سی بنائی ہے اور مسکراتی ہوئی راجہ کا دامن پکڑ کر کہتی ہے اے راجہ میری طرف دیکھ جو حسن مجھ میں ہے کسی میں نہیں۔ اگر تم میری بات مانو گے تو تر کو شیو لو کہ تک پہنچا دوں گی۔ تب ادھوگ چھوڑو اور میرے ساتھ دائمی آرام کے لئے چلو۔ عبرت لکھتے ہیں۔

کہ بہراستیا عاشق زار بنا گوری نے شکل اپنی طرحدار
 کہا اب ترک دل سے کر گدائی کہ بخشوں گی میں تجھ کو بادشاہی
 نہ کھو تو یہ جوانی اے گل اندام چل اب کر جی سے باہم عیش و آرام
 یا جب پدماوت کا باپ راجہ گندھرب سین رتن سین کو قتل کا حکم دیتا ہے تو
 سدا شیو ایک برہمن کے لباس میں اس کی مدد کو آتے ہیں۔

سدا شیونے سنایہ کچھ زبانی کہ جلا دلوں کو آیا حکم ثانی
 عیان دربار میں راجہ کے آگے سدا شیونے دُعا دی دست چپ سے
 جو بے دستورواں یا مھن کو دیکھا ہوا درباریوں کو اک پر دیکھا
 یا جب یہ مادت کی کشتی طوفاں کی نذر ہو جاتی ہے اس وقت سمندر کی ٹہنی
 لکھی اس کی مدد کرتی ہے۔

پدم کا اس میں تختہ بہتہ بہتہ نہیب ہوج دریا بہتہ بہتہ
 تلاطم میں گیا بہہ اک طرف کو کہ تھانزدیک جس کے ایک ٹاپو
 وہاں کا تا جو رتھا خود سمندر سو اس دم اتفاقاً اس کی خیر
 لب دریا برائے سیر ناگاہ گئی مٹتی لڑکیوں کے ساتھ دواہ
 ان چند شاہوں سے یہ ظاہر نہا مقصود ہے کہ جتنی کے یہاں دیو مالانی کردار و
 تلبیحات کی کثرت ہے جسے کسی حد تک شمع و پروانہ میں برتا گیا تھا لیکن خلیج نے انہیں
 ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔

تقابلی مطالعہ

خلیل حسن خلیل نے جانشی کی کہانی اور اس کے پلاٹ کو مختلف ابواب میں تقسیم کر کے ان کے عنوانات قائم کئے ہیں۔ جانشی کی پدمادوت میں یہ ذیلی عنوانات (۴۷) ہیں جب کہ خلیل نے ص ۲۷۱) عنوانات کے نام دیئے ہیں۔ بتخانہ خلیل بیسویں صدی کی تصنیف ہے۔ اس وقت تک اردو زبان نہایت آراستہ و پیراستہ ہو چکی تھی۔ نوک پلک درست کئے جا چکے تھے اس لیے خلیل کی پدمادوت کی زبان کھنکھاتی ہوئی زبان ہے۔ بندشیں چست اور محاورات بامزہ ہیں۔ رعایت لفظی کے استعمال نے اشعار کی لطافت کو دبا لیا ہے۔ خلیل نے میر حسن کے بیان کی فصاحت اور بندش کی چستی کو لی ہے لیکن غریب اور ناعوس الفاظ کو قریب نہیں آنے دیا ہے۔

شمع و پردانہ، میر حسن کی سحرالبیان کے ۱۲ سال بعد لکھی گئی لیکن آئندہ سطور میں جیسا کہ مثالوں سے ظاہر ہو چکا اس سحرالبیان سے بھی قدیم معلوم ہوتی ہے۔ زبان صاف نہیں بیان مبہم ہے۔ روزمرہ و ہی قدیم ہے متروک الفاظ آوے، لہجہ نوستالوجیک رکھیو۔ زبیں، ولے، وگرنہ، اندھرا دیدھڑ۔ کرے ہے، کجھو، اصفوں سے وغیرہ کا استعمال بہت ہے۔ خلیل نے زبان کی چاشنی بڑھانے کے لیے بحر متقارب استعمال کی ہے۔ یہ وہی بحر ہے جو میر حسن کی شنوی کی ہے۔ بہت سی مشہور عشقیہ مثنویاں اسی بحر میں لکھی گئی ہیں۔ فارسی میں فردوسی کا شاہنامہ، نظامی کا سکندرنامہ اور سراج کی بوستان خیال اسی بحر میں ہیں۔ خلیل کی پدمادوت پر میر حسن کے اور اوصاف بھی ملے

نظر آتے ہیں۔ شفی کی شروعات یعنی حمد کے اشعار میں یہ ماملت دیکھئے،

سحر البیان

بتخانیہ خلیل

جو چاہا لکھوں حمد اُٹھا کر قلم
گر اپنا تھ سے تھر تھر اکر قلم
سمائی یہ دہشت جگر پھٹ گیا
اُٹھائی وہ خفت کہ کٹ کٹ گیا
شنا اس کی کوئی کرے کیا محیاں
کوئی حمد کا دم بھرے کیا مجال
یہ تعریف ہے اختیاری کہاں
کہاں آدمی حمد باری کہاں
سہارا پاؤں کی اسکان کا لنگ ہے
نیرشتوں کا بھی حوصلہ تنگ ہے
کہ ہے ذات تیری غفور و رحیم

شمع و پروانہ کے ابتدائیہ میں عبرت نے ثنوی منظوم کرنے کے تعلق سے جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس میں اپنے مذاق سخن کا ذکر کیا ہے کہ وہ معیاری ثنوی منظوم کرنا چاہتے ہیں اس لیے اُسے اپنے خون جگر سے سینچا ہے اور سخن کو شیریں بنانے میں بڑی جانکنی کی ہے۔ اس آرزو کا بھی اظہار کیا ہے کہ صاحب ہوش اُسے سن کر ہمہ تن گوش ہو جائیں اور ان کے قلم کی لغزشوں کو درگزر کریں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خلیل کے پیش نظر عبرت کے یہ اشعار رہے ہیں کیوں کہ انھوں نے یہ اعتراف کرتے ہوئے کہ یہ ثنوی ان کی پہلی کاوش ہے۔ تاریں سے بعد عجز و انکسار گزارنے کی ہے کہ ان کے عیوب پر نظر نہ ڈالیں۔

شمع و پروانہ

بتخانیہ خلیل

یہ اردو کی ساری مری ثنوی یہ نہیں نے جانکنی حوں کو بہن کی

یہ پروردہ حسرت بھری ثنوی
 نمونہ مری پئی عودت کا ہے
 یہ جوش ابتدائی طبیعت کا ہے
 مجھے ناز و فخر اس پہ کچھ بھی نہیں
 مجھے دعویٰ شعر گوئی نہیں
 غرض نام سے ہے نہ شہرت ہے
 نہ بحث اس میں اپنی لیاقت ہے
 خوشی دل کی بھٹی دل کو بہلا دیا
 اسی طرح دل اپنا سمجھا لیا
 یہ اُمید اب ذی کمالوں سے ہے
 گزارش یہ ناز کنجیالوں سے ہے
 کہ میری خطا دیکھیں بھائی کچھ
 نظر اس کے عیبوں پہ ڈالیں کچھ
 مروت سے انصاف سے کام لیں
 جہاں پائیں لغزش مجھے تھام لیں
 اس تمہید کے بعد آغاز داستان کے اشعار ہیں جن سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ خلیل
 کی ثنوی کتنی رواں دواں اور زبان کی چاشنی لٹے ہوئے ہے۔

شمع و پر دانہ

گنجائش خلیل

مئے ناب سے جام بھر ساقیا
 مجھے بھی مریدا آ کر ساقیا
 بہت تو نے وعدوں پہ ڈالا مجھے
 پلا آج اپنا سپا لاجھے
 سمند خامہ طوفاں بلا خیز
 ہوا جوں اُننگ گلوں گرم ہمیز
 دل اس کے سا با صد ترک نازی
 لگا جوں شعلہ کرنے تیغ بازی

یہ غم جس سے میل فراموشی ہو نہایت مضطرب دل کو جو پایا
 طبیعت بڑھے دل کو اک جوش ہو یہ قصہ میں نے اس کو کہہ سنا
 فسانہ جو بھاکے کا مشہور ہے کہ تھا ہندوستان میں اک مہاراج
 یہ حال اس میں اس طرح مذکور تھا ہر اک شاہ دگلا کے فرق کا تاج
 کہ تھا ایک راجا سرانندپ میں سرانندپ اس کے پایہ تخت تھا
 نرالا تھا اخلاق و تہذیب میں سپہر اک چہر اس کے تخت کا تھا
 امارت ریاست لیاقت میں فرد سر پر آرائے ملک شادکامی
 جو سیرت میں یکت اتھوڑ میں جو انمردی سے گندھرپ میں نامی

اس بیان کو آگے جاری رکھتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختلف
 عنوانات کے تحت خلیل کی پیدمات کا جائزہ لیا جائے اور جہاں ضرورت ہو تقابلی
 مطالعہ کے اشار بھی درج کر دیئے جائیں۔ اس کے ساتھ ہی زیادہ تر یہ التزام
 بھی رکھا ہے کہ جن دانتوں سے متعلق تثنوی کے اشار پیش کئے جا رہے ہوں اس سے
 متعلق جاسی کی پیدمات کا متن بھی مختصر درج کر دیا جائے۔ اس سے ایک تو یہ معلوم
 ہو گا کہ جاسی کا انداز فکر کیا ہے دوسرے اس بات کا بھی علم ہو جائے گا کہ اصل متن
 سے کس حد تک استفادہ کیا ہے۔

پیدمات کا اپنی سکھیوں کے ساتھ تالاب میں غسل کرنا:

پیدمات بہار کے موسم میں باغ کی سیر کو نکلتی ہے۔ بھجولیاں اس کے ساتھ
 ہیں۔ باغ کی سیر کر کے سب کی سب تالاب میں نہانے کے لیے اترتی ہیں۔ جاسی نے
 یوں نقشہ کھینچا ہے:-

”ایک دن پیدمات کے جی میں آئی کہ باغ کے تالاب میں غسل کیا
 جائے۔ سکھیوں کو بلایا۔ مثل گلزار سب حاضر ہوئی۔ کوئی چنیا کوئی
 کینچی، کوئی بیلا، کوئی گلاب، کوئی سوسن، کوئی جوہی۔ سب کچھ

ساتھ لیکر تالاب کے نزدیک آئی۔ گھونگھٹ دھڑک کر کے بال بکھرا
 ناگن جیسی زلفوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ آفتاب کی
 روشنی چھپ گئی۔ رات ہو گئی۔ ستارے نکل آئے۔ چاند طلوع
 ہو گیا۔ چکور چاند کو بھول گیا۔ پدماوت کی طرف بڑھ گیا۔ مانس
 تالاب نے کہا کہ جب پارس کا ساروپ لیکر اس میں پانی بھٹی
 تو جو چاہائیں تے پایا۔ پانی میرا اس کی تدبیر سے پاک ہو گیا
 ہوا کے چلنے سے خوشبو بدنوں کی اڑنے لگی سردی آگئی
 گرمی فرد ہو گئی۔“

شمع دیرداد

بخت سمانہ خلیل

ہوا بھاگئی وہ نضا بھاگئی
 دلوں میں نہانے کی لہر آگئی
 پہن کر گریں ساریاں ہنریں
 ہوتی جا کے جلوہ کناں ہنریں
 کنارے کوئی اس کے اندر کوئی
 سکھانے لگی یاں دھو کر کوئی
 جھٹک کر لٹیں دوش پر ڈالیں
 ادھر ڈالیں، کچھ ادھر ڈالیں
 سنو وہ آب اس کا سارا ہوا
 اٹھا بلبلا جو ستارہ ہوا
 چھیا ساریوں میں نہ ان کا بدن
 لپٹ کر وہ جلد بدن ہو گئیں
 ہمہ نہ وہ سپہیم تن ہو گئیں

یہ سیر باغ کو ہے کون آتا
 نہیں گل جامہ میں پھولا سمانا
 عادی سبز سے نکلی وہ باہر
 شفق سے جس طرح خورشید اُور
 چلی گلشن سے وہ گلر وشتاں
 برائے غل سوتے سحر جوشاں
 پہنچ کر آگے پیچھے ہر پہر
 لب دریا پہ جیسے شل آہو
 قدم اکبار جا دریا پہ گاڑا
 گرین دریا میں وہ سب کھول کر مال
 کتے پیرتاب ہر جانب بھڑجال
 فلک سے ماہ کرتا تھا اشک سے
 کہ برج حوت میں اُتے ہیں تار

پیری بن گئی پیر مٹی اور بھی سردیا پہ چہرے ان کے انشاں
 جو جھجکی تو وہ اڑ چلی اور بھی کنول کے پھول کی صورت نمایاں
 عجب نور تھا جسم شفاف پر یہ تھا انراط پانی کا رخسار پر
 پھلتا تھا پانی تن صاف پر کہ غرق آب تھے لب مثل گوہر
 کوئی بوند ساکن اگر ہو گئی تن گلگوں سے لگ کر قطرہ آب
 تو عکس بدن سے گہر ہو گئی اتر کر بحر میں تھا شل سیلاب

عبرت نے لوازمات کی یکسانیت پر نظر نہیں رکھی ہے۔ بارغ کے تالاب کی جگہ
 ایک مقام پر پھر باندھا ہے اور دوسرے مقام پر دریا۔ جہاں بھر کہا ہے وہاں اس
 کی صفت جو شاں رکھی ہے یعنی جوش کھاتا ہوا تلاطم سمندر جو بے محل ہے اسی
 طرح ایک شعر میں وہ شفق اور خورشید کی تشبیہوں سے کام لیتے ہیں تو دوسرے شعر
 میں کہتے ہیں کہ ماہ ننگ سے اشارے کرتا تھا یعنی ایک ہی سین میں دن اور رات
 کو بلا کسی دلیل کے یکجا کر دیا ہے۔

خیلیں کے ان اشعار کی لطافت میں بے ساختہ اپنی طرف متوجہ کرتا ہے:
 جو پانی پڑا لودہ جھجکا بدن چھپا سار یوں میں نہ ان کا بدن
 لپٹ کر وہ جلد بدن ہو گئیں ہر منہ وہ سب کسم تن ہو گئیں
 کوئی بوند ساکن اگر ہو گئی تو عکس بدن سے گہر ہو گئی

لہذا ان اشعار کے ساتھ میر جوں کے یہو اشعار لا حظ ہوں۔ ان میں کتنی مماثلت ہے۔

ہوا جبکہ داخل وہ حمام میں عرق آگیا اس کے زہدام میں
 تن نازنین نم ہوا اس کا گل کہ جس طرح ڈوبے شبنم میں گل
 ہناتے میں یوں تھی بدن کی دک برسنے میں بجلی کی جیسے چمک
 لبوں پر جو پانی پڑا سر سر نظر کے جیسے گل برگ تر
 ہوا قطرہ کرب یوں چشم بوس کہ تو پڑے جیسے زنگس اپوس

ناگمت اور توتے کا مکالمہ :

جائسی کا بیان :-

”راجہ ایک دن جب شکار کو گیا اس کی خوبصورت رانی ناگمت جو سارے رانیوں کی انگریز تھی نہا کرنی پوشاک پہنی اور آئینہ میں اپنا منہ دیکھ کر جی میں غور کیا۔ سرمہ لگائے ہوئے پاں کھائے ہوئے توتے کے پاس آئی اور توتے سے کہا۔ اے حنفیہ کے چیتے توتے سنگھ کیب کا حسن دیکھا ہے۔ سچ بتا تیری پدہنی کی کسی صورت ہے۔ آیا میں حسیں ہوں یا پدہنی۔ اے توتے تجھے راجا کی قسم۔ ہے کوئی دنیا میں میرے حسن کے مقابل۔“

اس واقعہ کے بیان میں خلیل نے اپنی پرمادیت میں جو شاعرانہ انداز اختیار کیا ہے اور جو تغزل کا رنگ بھرا ہے وہ جائسی کے بیان میں اضافہ ہے اور قابلِ داد ہے۔

تختانہ خلیل

شع و پروانہ

ہوئی ایک دن صبح آٹھار	وہ رانی زلف اس کی غیری نام
چلی ناگمت اپنا کرے سنگار	کہ جس کا ناگمت مشہور تھا نام
نہا کر گھنے بال پھیلا دیئے	سنگار اس نے کیا اپنا سر ایا
جفا کار نے جال پھیلا دیئے	کہ جوں دستور ہوتا ہے نساکا
بہت سرخ ہاتھوں میں ہندی ملی	کناری اوڑھنی کی منہ پہ دلخواہ
لبوں پر دھواں دھار مستی ملی	نمایاں تھی ہر رنگ ہالہ ماہ
ستم اس پہ لاگھا جما کر کیا	لباس تاش میں رخشاں وہ دلبر
جفا پر جفا پاں کھا کر کیا	شعاعی خط میں جوں خورشید انور

لنگایا جو کا جل ستم ڈھا دیا
 نظر پھیر کر سب کو لٹریا دیا
 دوپٹے کو کچھ سر سے سرکا دیا
 اک آنجل کو کندھے سے لٹکایا
 کمر بال سی، سینہ نکلا ہوا

جوانی کے دن حُسن اُبلا ہوا
 بخانہ خلعتیں

اسی طرح بن بھٹن کے وہ گلاب
 نئے سرے چومتی کا بس کر لھن
 دیال سے چلی آئی توتے کے پاس
 وہ تشریف لائی پرندے کے پاس

کہا اے زمانے کو جھیلے ہوئے
 اکھاڑے میں پرلیوں کے کھیلے ہوئے

قسم ہے تجھے اپنے ایمان کی
 رتن میں کے سرری جان کی

سراندیپ کا حُسن مشہور ہے
 وہاں جو ہے وہ غیرت جو ہے

بتا دال بھی ایسی حسین ہے کوئی
 مری طرح بھی نازنین ہے کوئی

بھلا مجھ سا کوئی حسین ہوگا کیا
 بلا بربرے نازنین ہوگا کیا

توتے کا جواب جاسی کے الفاظ میں :

وہ ڈورا سر سے کاچشم سیہ نام
 رم آہو کا تھا اک حلقہ دام
 غرض بن بھٹن کے وہ غارگردل
 رُخ آئینے سے کرتی تھی مقابل
 نظر آیا اُسے اپنا جو عالم

مصفا چہرہ و ابروئے پر خم
 شمع و پروانہ

نکچہ کر کے وہیں حُسن تو ا ہیں
 بیوٹی مامش وہ اپنی آپ خود ہیں

اسی غماض میں تیوری چڑھا کر
 نفس توتے کا ہاتھوں میں اٹھا کر

کیا آئینہ سال اس کی طرف رد
 کہا ہنس کر کہ اے مرغ سخن خو

نہایت تو پھرا ہوگا جہاں میں
 رہا اکثر ہے بزم کلر خساں میں

پدم کا توتے ہیکا ناز دیکھا
 ہے اس کے حُسن کا انداز دیکھا

قسم دینی ہوں تجھ کو مجھ سے سج بول
 ملک اپنے دیدہ انعام کو کھول

کہ میرا حُسن ہستہ یا پدم کا
 تباہے فرق جو ہو پیش و ستم کا

”تو اپد مادت کا حسن یاد کر کے ہنسنا۔ ناگت رانی کا منہ دیکھا اور کہا جس
تالاب میں ہنس نہیں وہاں بگلا ہنس کہلاتا ہے۔ خدا نے زمانے میں
ایسے ایسے خوب رو پیدا کئے ہیں کہ ایک سے ایک بڑھ کر حسن میں ہے
سنگدیب کی عورتوں کا کیا حال پوچھتی ہو وہاں تو تمہاری جیسی عورتیں
پانی بھرتی ہیں۔“

اس بیان کو خلیل نے اپنے انداز بیان سے کتنا دل چسپ بنایا ہے۔ ہجرت کے

بیان کے ساتھ ملاحظہ ہو۔

شمع د پروانہ

بیتخانہ خلیل

ہوئی جب پھر کے رانی باد پیمیا
اٹھا تو تے کے سر میں اک دھواں سا
کہا رانی سے سن اے ناز پرور
رہے نت چتر دولت تیرے سر پر
پدم کی بات سچ مت پوچھ مجھ سے
کہ ہے وہ گل نہایت نود تجھ سے
اگر چہ تو پھر اک رشک پری ہے
ترے ہر عضو میں جادو گری ہے
لیکن اس پر پردہ کا کف پا
ترے منہ سے کہیں دلچسپ ہوگا
جو دیکھے شکل تو اس دلربا کی
نظر آئے تجھے قدرت خد کی
نکل آئے جو خورشید جہان تاب
فروغ رخ اڑے مانع شباب

نہ ضبط اس سے یہ بات سن کر ہوا
یہ کہنا اگر اس اس کے دل پر ہوا
کہا اس نے یہ ناز اچھا نہیں
تکب حسیوں کو ریا نہیں
حسیوں سے خالی یہ خلقت نہیں
کسی بت کو سب پر فضیلت نہیں
سر ندیپ میں وہ جو کلفام ہے
پری زاد ہے پدمنی نام ہے
بنایا ہے خالق نے ایسا اُسے
کہ زاہد بھی کرتے ہیں سجد اُسے
یہ کہتے ہیں جتنے ہیں اس دین میں
پری ہے یہ انسان کے بھیس میں
جو تم اس کو دیکھو تو دل تھام لو
نہ پھر عمر بھر حسن کا نام لو

خلیل کا لہجہ کتنا تیکھا اور طنز بھرا ہے۔ ضرورت بھی اسی کی تھی کیوں کہ لہجہ کی اس تلخی نے ناگمت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور پھر اس نے اس ڈر سے کہ کسی دن وہ لہجہ کے سامنے پدہنی کا ذکر نہ کر بیٹھے تو تے کو جان سے مار ڈالنے کا حکم دیا۔

پدماوت کے حسن کی تعریف تو تے کی زبانی :

ناگمت اور تو تے کے لوک جھونک کی خبر تین سین کو ہوتی ہے تو حقیقت جاننے کے لیے تو تے کو تنہائی میں بلا کر اس سے تفصیل سُنا چاہتا ہے۔ تو تے اس خیال سے کہ کہیں راجا پدہنی کے عشق میں گرفتار نہ ہو جائے اُسے عشق کے جنوں سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ اس موقع پر خلیل کا زور بیان قابل مطالعہ ہے :

لگا کہنے لئے تاجدارِ جہاں	وحید جہاں، شہرِ یار جہاں
پیالہ نہ پی زہر کا حیاں کر	نہ قصہ کہانی پہ تو کاں کر
سنبھل دیکھ کیا قہر کرتا ہے تو	یہ کیوں پاؤں دلدل میں دھرتا تو
کڑی ہے محبت کی منزل بہت	وہاں تک پہنچنا ہے مشکل بہت
کہا مان، اس میں ہے ڈر جان کا	خطر جان کا ہے ضرر حیاں کا
نہ لے نام عشق ستمگار کا	نہ کر ذکر تو اس جفا کار کا
جگر میں یہ ہوتا ہے نالا کبھی	کلیجے کا بنتا ہے چھالا کبھی
گلے کا یہ شخص کبھی بن گیا	رگ جاں کا نشتر کبھی بن گیا
کبھی زخمِ دل کا نمکداں ہوا	جگر میں کبھی لڑک پکیاں ہوا
نظر جس پہ کی جی سے کھیا اے	دیا جس کو پانی ڈلوایا اے
قیامت کی اس بحس کی لہر ہے	جو قطرہ ہے وہ سانپ کا زہر ہے
نہ مانے گا کہنا تو پیتھائے گا	بچے گا نہ بے موت مر جائے گا

تو تے کی اس تقریر کا جب کوئی اثر نہیں ہوتا اور تین سین کا اصرار زیادہ

ہوتا ہے تو تو ناپید مادت کے سنگار اور اس کے حسن کی تصویر کھینچتا ہے۔ جاسی
نے جو معنی آخری کی ہے اس کا اندازہ ان کے اشعار کے اس خلاصہ سے ہوتا ہے

”اس کے سنگار کا کیا بیان کروں۔ اس کا سنگار اسی کو ستر وار
ہے۔ پہلے اس کے موتے مشکیش کا حال سن کر عجب و خم اس
کے لہریں لیتے ہوئے سانپ ہیں۔ جب چوٹی کھول کر وہ بال
جھاڑتی ہے تو آسمان سے تخت المثنیٰ تک اندھیرا ہو جاتا
ہے۔ ابھی اس کی مانگ میں سیندور چڑھا نہیں۔ وہ بغیر سیندور
کے ایسی ہیں گویا اندھیری رات میں راہ روشن ہو گئی ہے اس
کا چہرہ دیکھ کر آفتاب کا رنگ اڑ جاتا ہے۔ سورج کو
طلوع ہوتے دیکھ کر چاند جیسے دھوپ میں منہ چھپا لیتا ہے
آسمان پر جو دھنک نکلتی ہے اس کی بھویں دیکھ کر شرما جاتی
ہے۔ پلکیں ایسے تیر ہیں جس کا کشتہ سارا سنسار ہے۔
اس کی ناک سے نفی ہوئی ہاتھ گویا لہر نے طلوع کیا ہے
لب آب حیات سے بھرے ہیں۔ باتیں امرت جیسی جن سے پھول
جھڑتے ہیں۔ انہیں کسی نے چھوانہ کسی نے دکھا۔ تمام زمانہ
اس کے لبوں کی اُمید رکھتا ہے۔ معلوم نہیں یہ شخص کون ہے کس
کی تقدیر کا ہے۔ جب منتہی ہے تو دانت ایسے چمکتے ہیں جیسے
چتر میں شرارے۔ ان کی چمک روشنی بن کر آنکھ سے دل میں
اتر جاتی ہے۔ رخسار کے بائیں طرف ایک تل ہے جس نے
وہ تل دیکھا دم بدم جلنے لگا۔ کان میں سونے کی بالیاں دو لو
طرف بجلیاں چمکاتی ہیں۔ سنگھڑپ کے دیوتا اس خوف میں
سہتے ہیں کہ ان پر کہیں یہ بجلیاں نہ گر جائیں۔ چھاتیاں مثل

لیمو کے اُجھاو پر میں۔ یہ انار اور انگور کسی کی دسترس میں نہیں۔
 بہت سے راجہ مر گئے جوگ سادھ کے۔ کسی میں دم ان کے
 چھوٹے کانہیں ہوا۔ ہاتھ مل کر چلے گئے۔ بدن کی خوشبو ایسی
 جیسے تازہ کھلا ہوا کنول۔ نازک ایسی کہ پھول چھونے سے بترار
 ہو جائے پھول کی پتیاں یعنی پنکھڑیاں پھولوں سے نکال کر
 بچھائی جاتی ہیں پلنگ پر کہ بدن میں نہ چھبیں؟

شمع و پروانہ

بخانہ خلیل

عجب عمن پایا ہے اس ماہ نے
 بنایا ہے آپ اس کو اللہ نے
 نظر آنکھ میں آرزو دل میں ہے
 جن میں ہے گل شمع محفل میں ہے
 بڑی قد سے بھی اسکی لمباں ہے
 وہ چھل بل ہے ناگن بھی قربان ہے
 وہ مانگ اس کی ہے راہ ظلمات کی
 جہیں چاندنی چودھویں رات کی
 وہ تو خیز جو بن کا عالم غضب
 کمری کے حقے میں آیا ہے لوح
 رگ گل سے بھی بڑھکے پایا کوچ
 ملائم میں دست خدائی بہت
 نراکت لئے ہے کلائی بہت
 نہ دیرانہ ایسا اکہرا بدن
 ہنایت ہی موزوں چھری بدن
 ٹھہرتا ہی نہیں نظارہ اس پر
 کوئی سوچ کو دیکھے کیا برابر
 کہوں کیسا ہے اس کا قد و قامت
 بلاؤ فتنہ و آفت قیامت
 جو کوئی دیکھے وہ سو کہ یہ نام
 بلاؤ ٹٹے وہیں اس پر سر شام
 نمایاں مانگ کیوں اس کے سر پر
 ٹھک پر جیسے کھینچا ہو خط زر
 سحر کا جسطرح نکلے ہے تدار
 کناے چشم کے اک خال ہر گنا
 کہ جیسے سحر آہو ہوا الجھا
 دہن میں اس کے ہے وقت تکلم
 برنگ غنچہ اک رگھو تبسم
 جو دیکھا حسن اس سینے کا رخشاں
 ہوا آب بقا ظلمت میں نہاں

اُجھاو ان کا سینہ پر کم کر غضب

پینے کی خوشبو سوا عطر سے وہ انگیا ہے مگر ابرہ ساری
 بدن سر سے پائیک بسا عطر سے کہ نت چمکے ہے وال برق و گماری
 سرور جگر راحت دل ہے وہ کہوں کیا حلقہ اس نازک کمر کا
 کلیجے میں رکھنے کے قابل ہے وہ کہ چشم حور کے سرمے کا ڈورا
 وہ گلپوش ہے اٹھتی کونسل ابھی کہوں کیا جلد کی اس کی صفائی
 ہے کچا ہی وہ ناز کا پھل ابھی کہ جیسے دودھ پر ہلکی ملائی
 ابھی اتری منت کی ہتھیلی نہیں اگر پہنے وہ جوڑا ارغوانی
 ابھی پوری چودہ برس کی نہیں ہوشادی مرگ عالم ناگہانی
 نہیں وہ بنی ہے دلہن اب تلک بدن پر اس کے زبور کو جلا ہے
 اچھوتی ہے وہ گلبدن اب تلک کہ جیسے آگ پر رکھا طلا ہے

دونوں ترجموں کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ جانتی کے بیان کا ترجمہ تو کیا تشریح
 بھی ممکن نہ تھی۔ عبرت نے نبھانے کی کوشش کی ہے لیکن حلیل کا جو پیرائیہ بیان
 ہے وہ اتنا مؤثر ہے کہ رتن سین کے عشق کو پر پرواز دینے کے لیے بہت کافی
 ہے۔ بالخصوص یہ اشعار:

سرور جگر، راحت دل ہے وہ
 کلیجے میں رکھنے کے قابل ہے وہ
 ابھی اتری منت کی ہتھیلی نہیں
 ابھی پوری چودہ برس کی نہیں
 نہیں وہ بنی ہے دلہن اب تلک
 اچھوتی ہے وہ گلبدن اب تلک
 نظر آنکھ میں، آرزو دل میں ہے
 چمن میں ہے گل، شمع محفل میں ہے

ناگمت سے رتن سین کی جدائی :

توتے سے پدمات کے حُن کی تعریف سُن کر رتن سین کا دل ایسی عشق کی چوٹ کھاتا ہے کہ اس کو پالنے کے لیے راج پاٹ چھوڑ جوگی بننا ہے اور ناگمت کو اپنے پیچھے نظر پٹا چھوڑ کر نکل جاتا ہے۔ جائسی نے انی پدمات میں اس موقع پر بہت اختصار سے کام لیا ہے۔ ناگمت کی زبان سے صرف اتنا کہلایا ہے۔

”رائی ناگمتی رو کے کہنے لگی۔ اے شوہر! کس نے تجھ کو جنگل

کی راہ دکھائی اب کوئی یہاں آسائش دے گا۔ میں بھی تمہارے

ساتھ جوگن ہو جاؤں گی۔ یا تو مجھے اپنے ساتھ لے چلو یا مجھے

مار کے جاؤ۔ سینا بھی تو رام کے ہمراہ تھی۔ میں تمہاری

خدمت کروں گی۔ پاؤں دابوں گی جس پیدہنی کے واسطے

تم جوگ لے رہے ہو کیا وہ مجھ سے بھی زیادہ حسین ہوگی؟“

خلیل حسن نے جائسی کے مکالمہ ناگمت کی جگہ رتن سین سے اس کی جدائی

یعنی بھڑنے کی کیفیت کو منظوم کیا ہے۔ عبرت نے عام شغولیوں کی طرح حالت فراق کی ترجمانی کی ہے۔

مبتحانہ حلیل

شع پر وادہ

د لے رائی کا اس کی کیا کہوں حال

کہ اس کا تھا یا نہ تھا تگنگ حال

جگر تھامے ہوئے غمگین و مٹیاب

پھرے تھی لوٹتی مانند سیاب

کبھی وحشت میں باہر کو نکلتی

رتن سین جوگی ہوا جس گھڑی

ہوا ناگمت سے جدا جس گھڑی

تو اس غم کی ماری کا جی رک گیا

جگر آتش عشق سے پھنک گیا

جو تھے پھول سے گال کو لے ہوئے

وہ جو بن جگر کے پھپھولے ہوئے
 اٹھا کر خاک گاہے مہ پہ ملتی
 بھڑی آنسوؤں کی ڈبوں نے لگی
 کبھی زانو پہ سر رکھ کر وہ ناچار
 خفا آپ ہی پردہ ہونے لگی
 کسی جا بیٹھ رہتی شکل بیمار
 کبھی بتیاب ہو کر در پہ آتی
 ہوئی درد فرقت سے دلگیر وہ
 سر پایا ہوئی غم کی تصویر وہ
 بڑھا درد دل جوش سودا
 غم ہجر قطرے سے دریا ہوا
 لگی کھینچنے آہ وہ ناتواں
 نکلنے لگا اس کے منہ سے سوال
 نہ ہاتھوں میں مہندی کی رنگت
 نہ لوروں میں چھلوں کی کثرت
 نہ زلیور موتیوں کا سب اتارا
 نہ پتھر نے کوئی ستارا

خلیفہ نے اپنے قلم کو یہیں نہیں روکا ہے بلکہ بیان کو جاری رکھتے جو
 اسلوب فراق کے بیاں میں اختیار کیا ہے وہ سحر البیان سے اتنا قریب
 ہے اور اتنی مماثلت رکھتا ہے کہ ان اشعار پر سحر البیان کے اشعار کا گمان
 ہوتا ہے۔ انھیں اگر ”سحر البیان“ کے اشعار میں خلط ملط کر دیا جائے
 جو میر حسن نے بے نظیر کی مفارقت میں بدر منیر کی زبان سے ادا کئے ہیں تو
 یہ پہچاننا دشوار ہو جائے کہ ان میں خلیل کی پدماوت کے اشعار کون سے
 ہیں اور سحر البیان کے کونسے ہیں۔ تقابلی مطالعہ کے لیے خلیل اور میر حسن دونوں
 کی مثنویوں کے اشعار درج کئے جاتے ہیں :

تجناہ خلیفہ
 سحر البیان
 وہ جینا جدائی کا دو بھر ہوا
 دوانی سی ہر سمت پھرنے لگی
 گراں پریر ہن اس کو تن پر ہوا
 درختوں پہ جا جا کے گمنے لگی

نہ پوشاک کی قدر و قیمت رہی
 نہ زور سے اسکو محبت رہی
 الگ چوڑیاں توڑ کر پھینک دیں
 ادھر پھینکیں کچھ ادھر پھینکیں
 نہ نازک کلائی میں کنگن رہے
 نہ بازو پہ سونے کے جوش رہے
 نہ غم تھا جو چوٹی ہوا سے کھلی
 جو چولی کھلی تو بلا سے کھلی
 سوادن سے راتوں کو بڑے لگی
 سحر آنکھوں آنکھوں میں جو لگی
 ہسینوں وہ کپڑے بدلتی نہ کھتی
 کبھی عطر بھولے سے ملتی نہ تھی
 نہ کھانے کا اس کو نہ پیسے کا ہوش
 نہ مرنے کی پردانہ جینے کا ہوش
 شب و روز تھا دل کو رونا پسند
 نہ کھانا پینا نہ سونا پسند
 نہ وہ چاند سی اسکی صورت رہی
 نہ اگلی سی چہرے کی رنگت رہی
 ٹھہرنے لگا جان میں اضطراب
 لگی دیکھنے وحشت آلود خواب
 خفا زندگانی سے ہونے لگی
 بہانے سے جا جا کے رونے لگی
 وہ اگلا سا ہنسنا نہ وہ بولنا
 نہ کھانا نہ پینا نہ لب کھولنا
 جہاں بیٹھا پھر نہ اٹھنا اُسے
 محبت میں ذرات گھٹنا اُسے
 کہا اگر کسی نے کہ بی بی چلو
 تو اٹھنا اُسے کہہ کے ہاں جی چلو
 جو پانی پلانا تو پینا اُسے
 غرض غیر کے ہاتھ جینا اُسے
 نہ منہ کی خبر اور نہ تن کی خبر
 نہ سر کی خبر نہ بدن کی خبر
 اگر سر کھلا ہے تو کچھ غم نہیں
 جو کرتی ہے میلی تو محرم نہیں
 نہ منظور سیر نہ کاجل سے کام
 نظریں وہی تیرہ سختی کی شام

اس میں شک نہیں کہ خلیل نے میر حسن کے اشعار سامنے رکھ کر لکھے ہیں لیکن
 جو کچھ کہا ہے اس میں ان کا اپنا بھی بہت کچھ ہے۔

اسی بیان خرق کو جاری رکھتے ہوئے خلیل نے اپنی فکر کو کچھ اور
 پرواز دیئے ہیں ہر ارمنت سماجت کے باوجود رتن سین کے نہ ٹکنے پہ

ناگمت نے جن جذبات کا اظہار کیا ہے اور اپنا سارا غصہ زیورات پر اتارا ہے ان میں گلزار نسیم کے ان اشعار کی گونج ہے جو گل بکاؤلی نے باغ سے پھول چرا لے جانے پر ادا کئے ہیں۔

نسیم کی صورت میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پھول اور پودوں کے نام نہیں بلکہ بکاؤلی کی خواصوں کے نام ہیں اور خلیل کی صورت میں ایسا جان پڑتا ہے کہ یہ زیورات کے نام نہیں۔ خلیل نے اپنے انداز بیان سے ان کو جاندار بنا دیا ہے۔

گلزار نسیم

بتخانہ خلیل

دیکھا تو وہ گل ہوا ہوا ہے
کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے
گھبرائی کہ میں کدھر گیا گل
جھنجھلائی کہ کون دگتیا گل
ہاتھ اس پہ اگر پڑا نہیں ہے
بوہو کے تو گل اڑا نہیں ہے
نرگس تو دکھا کدھر گیا گل
سوسن تو بتا کدھر گیا گل
سنبھل سرتا دیا نہ لانا!
شمشاد کو سولی پر چڑھانا
ادب و ادب ہوا نہ بستا
خوشبو ہی سنگھاپتا نہ بستا
گلچیں کا جو ہائے ہاتھ ٹوٹا
غنچے کے بھی منہ سے کچھ نہ پھوٹا

کمرشموں نے بھی کچھ نہ ٹوکا اُسے
نہ غمزوں نے بھی ہائے روکا اُسے
یہ بازیب تو پاؤں پڑتی ذرا
کمر کر دھنی تو بکڑتی ذرا
یہ منہ دیکھتی آر سی کیوں رہی
یہ منہ باندھے چنپا کلی کیوں رہی
نہ جوڑی نے بھی ہاتھ پکڑا ذرا
نہ زنجیر نے پاؤں جکڑا ذرا
چل اب یاں سے جگنی سرک دو رہو
نہ سینے پہ میرے چک دو رہو
گلا چھوڑ دے سچل پڑی تو بھی اب
نہ رہ تاک میں نتھ پڑی تو بھی اب
مرے پاؤں سے تو بھی چھا گل گل
گلے سے مرے تو بھی ہیکل ہیکل

کھائی مری چھوڑ کسنگن ذرا تھکرائی تھو اصبی صورت بید
سرک میرے بازو سے جوشن ذرا ایک ایک سے پوچھنے لگی بھید

پیدماوت کی رتن سین کیلئے بقیاری :

تو تاج ہیرا من رتن سین کی رہبری کرتا ہوا اسے سرانڈیپ لاتا ہے۔ اسے
ہما دیو جی کے مندر میں چھوڑ کر پیدماوت کے پاس جاتا ہے اور رتن سین کا حال کہہ سنا تا
ہے۔ پیدماوت پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے جانتی کے پاس اس کی تفصیل حرف آتی ہے۔

”تو تے نے پیدماوت سے کہا کہ میرے منہ سے تمہاری
تعریف سن کر راجہ کے دل میں عشق کی آگ لگ گئی۔ راج
چھوڑ کر تمہارے لئے جوگی بن گیا ورنہ کہاں چھوڑ گڑھ
اور کہاں سرانڈیپ۔ خدا جس کا جوڑا ملا دے وہ کسی
نہ کسی طرح اس سے مل جاتا ہے۔ ہیرا من سے جوگی
راجہ کا حال سن کر اس کے دل میں بھی آگ لگ گئی۔
بولی۔ وہ آتش عشق میں جلا اور اس کے آگ کی چمکاری

مجھ تک پہنچی۔“

خلیل نے اس پر اچھا رنگ چڑھایا ہے۔ تو پیدماوت سے کہتا ہے :

ترا نام لینا غضب ہو گیا وہ دل تھام کر جاں بلب ہو گیا
وہ اتنی بڑی سلطنت چھوڑ دیتی دیا چھوڑ گھر مملکت چھوڑ دی
وہ اچھا بھلا غم کا روگی بنا ترا نام لیکر وہ بے رنجی بنا

پیدماوت اچانک ایسی خبر سن کر بے قرار ہو جاتی ہے۔ دل جل کر دھواں دینے لگتا ہے
اس اضطراب کی کیفیت تنخاۃ خلیل کے اشعار میں ملاحظہ ہو۔

نجاتِ بختِ حلیل

شمع و پروانہ

لگا جوشِ غم میں غش آنے اُسے
 مگر کچھ سنبھالا حیا نے اُسے
 نئی بات اُسے دل سنبھالنے لگا
 غم اٹھ اٹھ کے دل کو بٹھلنے لگا
 ہنس نے لبوں سے کنار اکبیا
 ترپ نے جگر پارہ پارا کیا
 فلق نے گلے سے لگایا اُسے
 سرشک الم نے بہایا اُسے
 زمیں کی طرف پھٹ کے دامی چلا
 نکل کر گلے سے گریباں چلا
 گر انباری جاں بسمل بڑھی
 گھٹا زور بیتابی دل بڑھی
 تمنائے دل جوش کھانے لگی
 طبیعت کو دشتِ ستلے لگی
 نئی دل میں پیدا ہوئی آرزو
 یہی دل سے کرنے لگی گفتگو
 دکھاؤں کسے جا کے دکی یہ چوٹ
 لڑکپن کی پہلے پہل کی یہ چوٹ
 جوتے سے سنی حیرت کی گفتار
 ہوئی وہ نازیں اک نقشِ دیوار
 محبت نے بچھپایا دام کا کل
 پری کا طائر آس بچھپس گیا دل
 جوانی کا تھا وہ عالمِ پدم کا
 سرایت کر گیا قصہ یہ غم کا
 کیا غم نے جو ابرو کا اشار
 خوشی نے کر لیا اس سے کٹنارا
 غبارِ آہ لے سینے کے اندر
 کیا آئینہ آسا دل مسکدر
 لگا کر شعلہ عشقِ فتنہ گرنے
 لگا جوں شعلہ غارتِ اسکو کرنے
 وہ جانا عشق تھا غالبِ رتن کا
 لیا دل کھنچ دم میں سیم تن کا
 صنم کا پودے ہر چہ آہنی دل
 دل عاشق اگر ہے جذبِ کامل
 وہ آہن کو ہے بال شخصِ کھینچے
 بزرگ سنگِ مفتِ طلیس کھینچے

شمع و پروانہ کے اشعار کی جو یہ کیفی ہے اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہاں
 سے مثنوی عشرت کے ہاتھ میں آتی ہے جو جبریت کے مقابلہ میں کم صلاحیت کے شاعر
 ہیں۔ اور روائی میں مثنوی کی تکمیل کی ہے۔ واقعہ کو نظم کر دیا ہے۔ شعریت

خط معشوق کے ہاتھ میں جاتا ہے۔ ملاقات ہوتی تو سارا دھک
کہہ مٹاتا ہے؛

اس مشن کو سامنے رکھ کر دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بتخانہ خلیل کا خط خلیل کی
جدت طبع ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خلیل نے رازنی یا عشرت کی تقلید کی ہو کیوں کہ
یہ محبت نامہ شمع و پروانہ میں بھی ہے۔

شمع و پروانہ

بتخانہ خلیل

رگ شرکاں سے پہلے اک قلم کی
سواد چشم سے حالت رقم کی
گل باغ حیا د سرو قاسم
بہ گلزار جہاں رہ بہ سلامت
چراغ افروز ہرم عاشق زار
سحر میری ہے تجھ بن اے شب ناز
یہ غفلت نا کجا کہہ او خود آرا
ادھر بھی اک نگہ اے بت خدا را
کہوں میں بسکہ اے مہر زخشاں
سحر ہے یہ ترے شام غویاں
کبھی بسمل یہ تو بہر تماشا
خدا کے واسطے تشریف فرما
سیحائی گولا اپنے قدم تو
پریشاں بسکہ اے رشک چین ہوں

یہ لکھا کہ اے نازنین جہاں
صبح زمانہ، حسین جہاں
غریب اک مسافر بہت دور کا
تمہارے ہی رجھٹ میں آکر ٹکا
خبر اس کی لینا ہے تم کو ضرور
اسے اپنا درشن ہے دینا ضرور
اب آگے نکھول کیا بیاں الم
بیت طول ہے داستان الم
تمہیں اپنی بانگی نظر کی قسم
تمہیں اپنی پستلی کمر کی قسم
قسم تم کو چشم فوں ساز کی
قسم ہے تمہیں ناز و انداز کی
قسم تم کو ان لمبے بالوں کی ہے
تمہارے بغیر اب گزرتی نہیں

نام کو نہیں۔ اس کے برعکس خلیل کے اشعار کی تشریح محسوس کیجا سکتی ہے۔ ایک روشنیو کے جذبات کی صحیح عکاسی کے لیے یہ ایک شعری بہت کافی ہے۔

دیکھاؤں کسے جا کے دل کی یہ چوٹ
لڑکپن کی پہلے پہل کی یہ چوٹ

رتن سین کا خط پیدماوت کے نام،

عشقیہ شہنویں کی روایت میں نامہ و پیغام کی بڑی اہمیت ہوتی ہے سماجی پابندیوں کے سبب اظہار عشق زیادہ تر نامہ و پیغام کی صورت میں ہوتا ہے۔ شہنوی نگاروں نے اس میں بڑی بڑی کاوشیں کی ہیں۔ خلیل نے اس روایت سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ رتن سین سرندیپ پنچ کر ہما دیو جی کے شوالے میں فراق کے دن کاٹتا ہے اور توتے جیسے نامہ برکا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی نادیدہ محبوبہ پیدماوت کو پہلا محبت نامہ لکھتا ہے۔ جالسی نے خط لکھنے کا ذکر ضرور کیا ہے لیکن اس کا متن نہ لکھ کر توتے سے کہتا ہے کہ خط دینے سے پہلے میرا پیغام زبانی سنانا۔

”رتن سین نے پیدماوت کی یاد میں اشک غوٹیں بہائے اور آنسو جو سرخ آنکھوں سے گرے تو اس خون سے خط لکھ کر توتے کو دیا اور زبانی توتے سے یہ بات کہی کہ پہلے میری طرف سے کلمات عجز و خلوص کہنا۔ پھر دوسری بات سنوار کہ یہ کہنا کہ آنکھیں محتاج دیدار ہیں کسی طرح تسلی نہیں پاتیں۔ عشق کی بات کس سے بیان کروں جس سے کہوں وہ جل کر خاک ہو جائے۔ خط تمہارا نام لیکر لکھا تو ابو سے لکھے ہوئے حروف نے سب کچھ سیاہ کر ڈالا۔ اب یہ مقام مر جانے کا ہے کہ خالی

جو دن کٹ گیا شب گزرتی نہیں بسان گل دریدہ پرہیز ہوں
بس اب تم نہ اتنا رلاؤ مجھے کہ میں ہوں چھوڑ اپنا راج آیا
مٹائے خدا یہ طال فراق کبھی صورت کسی صورت دکھائی
زیادہ نکھوں کیا بجز اشتیاق مریض غم کو اپنے اک شفا کے

پدمات کا خطرین سین کے نام :

تو تارتین سین کا خط لاکر پدمات کے حوالے کرتا ہے اور زبانی پیام کہہ شاتا ہے۔ پدمات خط کا جواب دیتی ہے۔ جانی لکھتے ہیں :

”پدمات قلم ددات طلب کر کے جواب خط لکھنے بیٹھی۔ آنسو جاری ہوئے سارا محرم بھیک گیا۔ لکھائے لوگی ایکسٹوں نے اس طرح مجھ پر جان گنوائی۔ میں رانی پدمات ہوں بس تو میں آسمان پر میرا مقام ہے۔ اس کے ہاتھ لگوں گی جو اپنے آپ کو پہلے فنا کر دے۔ میں تمہارا خط آنے سے خوش ہوئی محبت ادھی ملاقات ہے جسے اگر تو محبت کا نیاہ چاہے تو بھونرے کو دیکھ کہ پھولوں کے کانٹوں سے اُلجھ جاتا ہے۔ پردانے کو دیکھ شمع پر کیے جل مڑتا ہے۔ جو سمندر میں ڈوب کر تہہ میں جاے وہی گوہر پاتا ہے۔ کنول ہو کر آفتاب کی امید رکھ۔ میں بھی تیری محبت میں

ہوں پن اہل پس تہہ راتی

آدھی بھینٹ پرستم پاتی

(میں تمہارے خط آنے سے خوش ہوئی۔ خط محبوب کا آدھی ملاقات ہے)

شیخ احمد علی۔ پدمات بخط فارسی۔ کانپور ۶۷۸۷۸۷

اسی طور ہوں۔ سترے راہو کو جب الہی نے پیدا کیا تب درو پدی

سے بیاہ ہوا۔

خلیل نے جاسی کے اس مضمون خط کو جو تصوف کے انداز میں ہے نظر انداز کر کے بالکل عاشقانہ انداز کا خط لکھا ہے۔ خط کے اشعار دل کے تاروں کو چھیرتے ہیں یہ سوتا کتنا فطری ہے کہ پیدمات جب جواب لکھنے بیٹھتی ہے تو اس کو کچھ سوچتا نہیں، اک اجنبی کو کیا جواب دے۔ کیا القاب لکھے۔ کن لفظوں میں مخاطب کرے۔ اظہار عشق کے جواب میں اقرار محبت کرتی ہے تو مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اس شمشک اور جذباتی تناؤ کو پیدمات کس طرح کاغذ پر بکھیرتی ہے اس کا اندازہ خلیل کے اشعار سے کیجئے جذبات نگاری کی ایسی مثال بہت کم پڑھنے میں آتی ہے۔

شع و پروانہ

بتخانہ خلیل

تلم لے ہاتھ میں وہ رشک تصویر
جواب اسکا لگی کمرے وہ تخریم
شہ فرمانروائے کشور عشق
رتن یعنی کر زیب افسر عشق
کہ اے گلستا باغ محبت
برنگ لالہ با باغ محبت
وہ تیرا نامہ اے سرو چراغاں
ہر اک جملہ تھا جسکا جوں گلستان
نہاں ہر حرف میں تھے وہ معانی
کہ جوں ظلمت میں آنے بیکانی
ز بس وحشت فرا معنی رتن تھے
مگر شکر گان آہو کے قلم تھے

پڑی سوچ میں لکھوں القاب کیا
میں اسکی لیے ڈھونڈوں آداب کیا
لکھوں اسکو راجا کہ ہوگی لکھوں
کہ الفت کا بیمار روگی لکھوں
جو لکھتی ہوں عاشق مناسب نہیں
جو مشتاق لکھتی ہوں واجب نہیں
دیا لکھ کے کاٹ اسکو اے بہرین
کیا چاک خط لکھ کے افسانہ والی
لکھا آخر اے طالب بیقرار
مرے حسن نادیدہ کے خواستگار
جو خط تم نے لکھا وہ محکو بلا
کروں اپنے توے کا میں کیا گلا

بُخارِ خلیل

شمع و پروانہ

یہ کیوں مجھ پہ تہم شفیقتہ ہو گئے
یہ نادیدہ کیوں مُبت لا ہو گئے
بہتیں کہنے سننے میں جانا نہ تھا
پرندے کی باتوں میں آنا نہ تھا
مری شکل و صورت تو اچھی نہیں
اجی جھوٹ ہے سچ یہ کچھ بھی نہیں
کچھ اچھا نہ یہ کام تہم نے کیا
مجھے مُفت بدنام تہم نے کیا
مرے واسطے جوگ لینا نہ تھا
مرے دل پہ یہ داغ دینا نہ تھا
مرا بھی اب احوال اچھا نہیں
مری زندگی کا بھروسہ نہیں
زیادہ بیاں الم کیا لکھوں
شب و روز کا رنج و غم کیا لکھوں

جو حالت ہے تری اے ہزتیاں
کہوں کیا میں کہ اس کے ہوں دو چند
گداز غم سے تیری ہوں میں سکتی
ہے جسے شمع ساری رات جلتی
ایسا اُنک گل شل بلبل گل
بدل خار و وصال حسرت گل
نہیں مفدور لیکن اس میں میرا
کہ دیکھوں آکے میں دیدار تیرا
تو ہے اس جا پہ جیسے بنبل زار
یہاں میں شل گل پہلو پر از خار
سرایا غم سے ہوں میں شل تصویر
حیاتِ خلقِ پاؤں میں ہے زنجیر
کھینچی ہے ناتوانی بس یہاں تک
کہ نالہ آ نہیں سکتا زباں تنگ

شمع و پروانہ کا بیان بھی اگرچہ جاسی کے بیان سے کوئی تعلق نہیں رکھتا لیکن ان کے نامہ میں پداوت بھی کھل کر قرار محبت کرتی ہے جو اس کے کردار کی صحیح ترجمانی نہیں۔ خلیل نے اس سے گریز کرتے ہوئے پداوت سے جس محتاط انداز میں خط لکھوایا ہے وہ عین انسانی فطرت کے مطابق ہے اور جاسی کے خیالات ہی کی ترجمانی کرتا ہے۔

پداوت کا پوجا کے بہانے منہ کو آنا:

پداوت نسبت کے دن اپنا دعوہ پورا کرنے کے لیے سہیلیوں کو ساتھ لے کر

باع کی سیر کرتی ہوئی مہادیو کے مندر کو جاتی ہے۔ جائسی کے پاس یہ بیان یوں ہے

”پدمات نے ”نانا مندر“ کا جوڑا زیب تن کیا۔ سر کی مانگ
کو موتیوں سے سنوارا اور ہلیوں کو لے کر باغ کی سیر کو
گئی۔ چھتیس قوم کی عورتیں اس کے ہمراہ تھیں خواہیں جو نیلو فر
جیسی تھیں یا باغ میں ادرہم مچایا۔ کسی نے آم کی ڈالی پکڑی۔
کوئی نارنگی توڑتی کوئی انار اور انگور کسی نے چنپا کے پھول
لے کسی نے گیندے کے کسی کے ہاتھ میں ہارسنگار کے
پھول تھے کسی کے پاس سیوتی۔ تمام دیوتا پدمات کو دیکھنے
لگے۔ یہ جن و جمال تو سورگ کی اسپر اوں میں بھی نہیں۔ بالآخر
پدمات دیوتا کے دروازے پر پہنچی۔ مہادیو کی صورت
کو سینہ دور لگا کر دینی نے پرار تھنائی۔ سب خواہیں
میں بیابتا ہیں۔ میں ایک گنہگار کنواری ہوں جس دن میری
امید برائے گی سونے کا کلس چڑھاؤں گی۔ اب جواب کلن
دے۔ دیوتا تو مر گیا۔ پنڈتوں کی موت ہو گئی۔ جس نے پاد
کو دیکھا مثل مار گزیدہ ہو گیا۔“

اس واقعہ کو منظوم کرنے میں خلیل نے جائسی کی باغ کی تفصیلات کو چھوڑ
دیا ہے اور مندر کی طرف پدمات کے خرام ناز کی جو تصویر کشی کی ہے اس سے
ارباب ذوق ہی لذت یاب ہو سکتے ہیں :

بڑی ٹٹھاٹھ سے وہ من ہر چلی	خواہوں کو سب اپنے لیکر چلی
خوالے کے وہ حور جا کر قریب	اداروں سے تشریف لا کر قریب
آخر کر خراماں خراماں چلی	لے لے سیکڑوں میں اراماں چلی
چلی بڑھ کے شیریں سو کو کن	چلی شوق سے نلی سے تلنے دن

لاریت کو دامن کے عذرا چلی
 چلی ہستی بادِ سحر کی طرح
 وہ ناگنی سی چوٹی لٹکتی ہوئی
 کہیں تو کڑے سے کڑے لڑ گئے
 کہیں بچ کے گھنگھرو نے بیدار کی
 وہ اندازِ پیارا وہ رتنا مست
 اسی طرح پہنچی وہ مندرِ تنک
 غرض عطرِ دیو اس نے پوچھا کیا
 جو مانی تھی کی اپنی منت ادا

خواصوں کا بناؤ سنگار :

خلیل حسن اور میر حسن دونوں نے اپنی اپنی ہیر و منوں کے علاوہ ان کی خواصوں اور بھولیوں کے حصے اور بناؤ سنگار کا بڑا دل فریب نقشہ کھینچا ہے۔ سحرالبیان کی تقلید میں بتخانہ خلیل میں بھی اس پر بڑا زور قلم صرف کیا گیا ہے۔ خلیل نے اس اسلوب کو نبھانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ تقابلی مطالعہ کے لئے دونوں مثنویوں کے اشعار درج کئے جاتے ہیں :

سحرالبیان	بتخانہ خلیل
خواصوں کا اور لونڈیوں کا ہجوم	خواصیں کنیزیں طرحدار سب
محل کی وہ چہلیں وہ آپسی دھوم	شرابِ جوانی سے سرشار سب
کنیزاں مہر کی ہر طرف دریں	کوئی گلدن ماہ یارا کوئی
چنبی کوئی اور کوئی رائے بیل	کوئی چادر اس میں ستارا کوئی
رنگینی کوئی اور کوئی شامِ رفا	ہر انداز میں سیکڑوں نانو تھے
کوئی چہت لگن اور کوئی کام تو	ہر اک ناز میں لاکھوں انداز تھے

مہی کی دھڑی سب جلمے ہوئے کوئی کیسی اور کوئی گھلا ب
 دوالی کا کاہل لگائے ہوئے کوئی مہرتن اور کوئی مہتاب
 سراپا ادا شوخ طعناں سب ادھر اور ادھر آتیاں جاتیاں
 ستم گوشتی سرمایہ ناز سب پھریں اپنے جون کو دکھلاتیاں
 کوئی ان میں نوخیز کوئی جوال کہیں اپنے پٹے سنو لے کوئی
 کوئی غارت جاں کوئی دلتاں اری اور سیلی پکا لے کوئی
 شکستہ تھا چہرہ اُبلتا تھا رنگ بجاتی پھرے کوئی اپنے کڑے
 ٹپکتا تھا جون اچھلتا تھا رنگ کہیں واہ وا اور کہیں دا جھڑک
 قیامت بلا غارت ہوش سب کوئی آرسی اپنے آگے دھرے
 گل اندام گلغام گلبوش سب ادا سے کوئی بیٹھی کنکھی کرے
 کوئی بانگی ترچھی رسیلی کوئی مقابلہ کوئی کھول مٹی لگائے
 نکسیلی سجلی رنگیلی کوئی لبوں پر دھڑی اپنی کوئی جائے

سہاگ رات :

امیر احمد علوی لکھتے ہیں کہ مواصلت میں غریباں رنگاری کی رسم قبیح میر اثر
 میر حسن، مومن، اور نسیم نے رائج کی تھی۔ تلو نے تو اپنی مثنوی طلسم الفت میں اپنا
 سارا کوک سا ستر نظم کر دیا اور سنجیدہ صحبتوں میں اس مثنوی کے نام پر ثقات کی
 نگاہیں نیچی ہونے لگیں۔ میر اثر کی خواب و خیال پر ایک اور تنقید میں ایسے ہی خیال
 کا اظہار کیا گیا ہے۔

”اردو کی طویل مثنوی میرا شرکی خواب و خیال میں عشقیہ واردات کا بیان اس قدر واضح اور کھل کر نظم کیا گیا ہے کہ اس کو اردو کی شرمناک اور خالص شہوانی مثنوی کے نام سے یاد کیا جاسکتا ہے۔“

یہ رسم اتنی عام ہوئی کہ کم و بیش اکثر مثنویاں حدود سے تجاوز کر گئیں۔ جائسی کی پیدمات بھی اسی زمرہ میں آتی ہے۔ انھوں نے جہاں اس بیان میں بڑی شاعرانہ خوبیوں سے کام لیا ہے وہاں استعارات کے پردے میں بہت کچھ کہہ گئے ہیں۔ خلیل نے اپنا انداز اختیار کیا ہے۔ تقابلی مطالعہ کے لیے بہتر ہے کہ پہلے جائسی کے اشعار کا متن درج کر دیں =

”پتی اور پتی کے گلے میں باہیں ڈالیں اور پتی مہجور شوہر کے گلے سے لگ گئی۔ پس دونوں باہم ہمکنار ہوئے گویا سونا اور سہاگا کیچا ہوئے رتن، پیدمات کے جسم پر نیشل بھونٹاؤ ہدف مراد پر نیرنگا تماشا اور کھیل کرتے رات گزری گویا چوڑا سارس کا باہم کلیں کرتا تھا۔ شوہر نے اپنے بازوؤں میں کس لیا پھر تو خوب آسودہ ہو کر آپس میں لہو و لعب کرنے لگے بیٹوں کا حقدار بن گیا بھونٹے لے لے لیا۔ جو سامان و اسباب ہجر کا تھا وصل کے سپاہ نے لوٹ لیا۔ راجہ ہر طرح فتح یاب ہوا۔ جوش کھا کے ایسے ملے کہ دونوں ایک ہو گئے۔ باہنوں میں ایسا کھینچا سونے کو جیسے کسوٹی پر کٹا ہے۔ غلیہ کیا شوہر نے عاجزی سے۔ پیدمات بھی ایسی خوش نصیب تھی خوشی میں آکر ضد کی طرح شوہر کے گلے سے اٹک گئی۔ گیندے نے گویا گلاب

کو کنار میں لیا۔ انار نے انگور سے مزہ حاصل کیا اور پیدمات
بھی رضامندی سے شوہر میں تن میں سے کھو گئی۔ صدف میں موتی
گرا اور دل مسرت میں ڈوب گئے۔

سجا ہوا سنگار سب لٹ گیا۔ فیل مست جوانی نے مستی دور کر دی
بدن کے کپڑے سب بدرنگ ہو گئے۔ گندھے ہوئے بال سب
کھل گئے۔ مانگ پر لیشان ہو گئی۔ محرم ریزہ ریزہ ہو گئی اور
بند ٹوٹ گئے۔ ہار کھل گیا موتی بکھر گئے۔ بازو بند اور کنگن جو
کلائی میں تھے پھوٹ گئے۔ صندل جو بدن میں تھا وقت ہم آغوش
چھوٹ گیا۔ پیار سے پیار سے کہتے ہوئے ناری کی زبان خشک
ہو گئی۔ محبوب کی لذت میں ناز میں نے جان کی پروا نہ کی۔ گویا
سوسم بہار میں ناشگفتہ غنچہ شگفتہ ہو گیا؟

جائسی کے اس متن کو نگاہ میں نہ رکھتے ہوئے خلیل نے اپنا جو محاکاتی ڈھنگ
اختیار کیا ہے وہ بڑا سنجیدہ ہے اور نسوانی جذبات کا ترجمان ہے۔
بتخانہ خلیل شمع و پروانہ

وہ کچھ دیر خاموش پہلے ہے	بعد ناز و اداسند سے اٹھ کے
رکے اور چپ دلوں بیٹھے رہے	چھپر کھٹ میں گئی آرام لینے
ادھر صبر منہ اس سے پھرتے ہوئے	گرا دیں حلیمیں چوتھیں خوش اسلوب
ادھر شرم اس بت کو گھیرے ہوئے	کہ بعضے جاچے ہے پردہ بہت خوب
ادھر کچھ کچھ اس کا کھسکا غضب	کہوں کیا اس گھڑی کا تم سے عالم
ادھر وہ سٹنا، جھجھکا غضب	کیا کیا گیا مزے دلوں نے پیام
تقاضا ادھر دل کا گھونگھٹا لٹ	بہم دلوں وہ معروف طرح سے
نہ اب اس میں کردیر چھٹ پٹا لٹ	کہ کس سینہ بہ سینہ لب بہ لب تھے

جذبات کے ساتھ جو ٹھہراؤ اور اغذال پسندی ہے اس کا پنچوڑاں کا یہ آخری شعر ہے کہ

غرض شب وہ یوں ہی بسر ہو گئی
وہ سونے نہ پائے سحر ہو گئی

میر حسن کے پاس بھی کھل کھلنے کی بات بہت شوخ ہو گئی ہے۔
سہاگ رات کے بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے جالسی نے صبح و شب صاف
کی جو تصویر پیش کی ہے اس کی تقلید خلیل و عشرت نے بھی کی ہے۔ اردو
کی دوسری مثنویوں میں اس اتار کی کیفیت کا عالم نہیں بتا۔ جالسی نے اپنی
حدت طبع سے اپنے اس بیان میں بڑی شاعرانہ لطافتوں سے کام لیا ہے
پہلے اس سے لطف اندوز ہو لیجئے :

”صبح ہوئی آفتاب طلوع ہوا۔ شوہر باہر آیا۔ سہلیاں پداوت
کے گرد جمع ہو گئیں۔ مذاق کرنے لگیں۔ اے پداوتی!۔
تیری انگلیاں کے پان چونا ہو گئے ہار اور چوڑیاں چکنا چور
ہو گئیں۔ اے رنگ رنگیلی! تیرا رنگ کہاں گیا اے رانی
تم ایسی نازک ہو کہ پھولوں کی خوشبو تمہاری غذا ہے۔
ایسی نازک کہ تمہارا سینہ متحمل ہار کا نہ ہو تم نے شوہر کا بوجھ
کس طرح اٹھایا۔ تمہارے ہونٹ جوشل کنول کے نازک
تھے شوہر کے بوسے کو کیسے گوارا کر لیا۔ تمہاری کمر جو قدم
دھرنے کے ساتھ مڑ جاتی ہے بلی کھا جاتی ہے شوہر کے
وصل میں کس طرح چین سے رہی۔ جتنا پاکیزہ تمہارا رنگ
تھا سب میلا ہو گیا۔

پداوت نے کہا اے سہلیو! سچ حال تو یہ ہے کہ میں

مبتحانہ خلیس

ادھر اس پہ تاکید ہٹنا نہ تو
خبردار گھونگھٹ اُلٹنا نہ تو
نہ ہونٹوں سے باتوں نکلتا فلانا
حیا تو یہاں سے نہ ٹلنا ذرا
ہنسی اس گھڑی تو نہ آنا کہیں
مرے ہونٹ تم کھل نہ جانا کہیں
ادھر کہہ رہی تھی وہ سلفام یہ
ادھر بڑھ کے اسنے کیا کام یہ
کہ چہرے سے گھونگھٹ اُلٹ ہی
اسے جلد اس نے پلٹ ہی دیا
اڑا ہوش اب اس پر زیادہ کا
کہ موقع تھا غل کا نہ فریاد کا
لگی کہنے تم کو ہوا ہے یہ کیا
اے خیر تو ہے یہ کیا ہے یہ کیا
سلو تو وہ مجھ کو ملائی ہے کون
یہ چوڑی بھی کسی آتی ہے کون
اے در سے بھی تو لگی ہے کوئی
ہٹو جلد وہ دیکھتی ہے کوئی
غرض شب وہ یوں ہی بسر ہو گئی
وہ سونے نہ پائے سحر ہو گئی

شمع و پروانہ

کہوں کیا یکدگر وہ مثل بلببل
بہم چنتے تھے عیش وصل کے گل
بزاؤ مستعد ہو کر وہ مائل
کراپے ہاتھ اس مہ کے حامل
بنا طوق کمر وہ ساق سیمیں
ہوا اس سلسلہ جنباں خوشن آئیں
ہوا پر جوش جب ابر گہر بار
کے زیب صدف بھر در شہوار
غرض ہوا باغ باغ اور شاد و خرم
بھرے اس غنچہ میں قطر آب شبنم
بیاں کیا کیجے اس دم حال کیا تھا
بہم دونوں میں صدنا زو ادا تھا
کسی کا رنگ جوں مہتاب فق تھا
کسی کا رنگ رو مہر شفق تھا
کسی کے بند جامے کے گئے ٹوٹ
کسی کے سوتی ستر پائے پھوٹ
ملا دل دل سے تن سے تن ملا تھا
تھی لیل القدر یادن عید کا تھا
بر آیا بک ان کا کھوکھ و صل
کہ بعد روز ہجران تھی شب وصل

عشرت کے اشعار کے مقابلے میں طبعیت کے اشعار میں بے ساختگی اور شدت

مبتحانہ خلیل

شعاع و پیرا

پریشان کھل کر گندھے بال ہیں جو لبو کس عروسی زیب تن ہے
 وہ کافر بچھاے ہوئے چال ہیں سولیکر سر سے پاتک پٹکن ہے
 دو پٹا ہے سینے سے کھسکا ہوا کہیں مسکری سے باہر ہے نکلا ہوا
 لگیں چھپڑنے بد منی کو وہ سب کسی جا سے گئی چل چہین لٹوار
 کہ ہے حال یہ کچھ تمہارا عجب جو لوٹے موتیوں کے ہار تھے سب
 یہ چولی ہے مسکی ہوئی کس لئے پڑے ہیں گر درہ کے جیسے کوکب
 یہ لوشاک ہے ملگجی کس لئے جہیں پر تھی جو افشاں وہ نمایاں
 پڑے ہیں یہ کالوں یہ کیسے نشاں سو ہیگا روئے فرش اب اس افشاں
 یہ کاپے کے ہیں نیلے نیلے نشاں بیاں کیا کیجے اس کے ہوئے ساحل
 یہ ماتھے کی افشاں گئی چھوٹ گئی پریشاں ہیں سراسر شل سنبھل
 گئیں چوڑیاں ہاتھ کی ٹوٹ کیوں ہوئے بو سے سے وہ اسکے لب گال
 پریشان ہے زلفِ خمدار کیوں برنگ غنچہ، و اند گُل لال
 گیا ٹوٹ یہ ٹولکھا ہار کیوں مگر دربر است کھینچا ہے تسنگ
 بتائیں تو سرکار ہے بات کیا کہ تن سے اسکے بستر پر جوارنگ
 یہ کیوں ست گیا منہ ہوار است کیا غرض تھی نازنین یوں سر سے تاپا
 یوہیں دیر تک وہ ستاتی رہی کہ شب باشی میں گل جاتا ہے جھا
 اسی طرح ہنستی ہنساتی رہی تھی سرگرم شرارت ہر پرورد
 متذکرہ بالا اشعار اور جانتی کے متعلق کو پیش نظر رکھا جائے تو جانتی کے
 فکر کے تعمق اور خلیل کے حشر بیان کا اندازہ ہوتا ہے۔

جو پہلے کہتی تھی کہ عورت ستمی مرد کی نہیں ہو سکتی ہے جب بھونرے
 کو پھیل پر دیکھتی تھی کانپتی تھی اور جیسے چاند کو گھن لگتا ہے وہی
 میرا حال تھا۔ خوف جب تک عفا شوہر سے ملاقات نہیں ہوئی تھی
 سورج کی نظر پڑتے ہی سردی جاتی رہی۔ اے سیلیو! میں بھی
 بہت ہوشیار تھی جتنی لہری سمندر میں ہوتی ہیں سب سے مجھے
 اطلاع تھی لیکن میری ساری ہوشیاری شوہر کی مدارات سے
 جاتی رہی۔ ایک بھی داؤ میرا نہ چلا جو کچھ مجھ میں حس اور جون تھا
 سب میں نے ازراہ اطلاع نذر کئے۔ میرا سب کچھ اس میں جا ملا،
 جانی نے جس حس سے اور جس بے باکی سے عورت کے جذبات کو زبان دی
 ہے وہ ہندی شاعری کی دین ہے۔ اردو میں ایسی شائیں مفسور ہیں۔ البتہ فرق نے
 ایک شعر میں یہ ساری کیفیت سمودی ہے۔

شب وصال کے بعد آئینہ تو دیکھ ذرا

ترے جسمال کی دوشیزگی نکھر آئی

خیال کے یہاں حس کی اس پائمالی اور بے ترتیبی کا منظر کچھ اور ہی ہے اور بڑا
 رومانی ہے۔ عشرت نے بھی اسے نبھانے کی کوشش کی ہے۔

شمع و پروانہ

بتخانہ خلعت

سحر دم ہی پنچیں خواہیں ہاں	پدم کے پاس آتش محرم راز !
ہوئیں جمع سب اسکی ہجولیاں	شریر و شوخ و دلبر اور نعمت آزار
تو دیکھا شکار اس کا لوٹا ہوا	یہ دیکھا رنگ اس آراستہ کا
پڑا ہے انگ بار لوٹا ہوا	گل باغ حیا لو خواستہ کا
وہ رنگ اسکے نعلیں بول کا نہیں	عجب ہی شکل اسکی ہو گئی ہے
وہ مسی نہیں ہے وہ لاکھا نہیں	کہ رنگ سرخ تن اب جاتی ہے

ناگمت کا خطر تن سین کے نام:

عوماً مثنویوں میں خفیہ ملاقاتوں کے ساتھ ہیرو اور ہیروئن کے درمیان نامزد پیغام کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے لیکن جائسی کی پدمادت میں یہ صورت حال مختلف ہے۔ یہاں دو ہیروئنیں ہیں۔ رتن سین اپنی پہلی رانی ناگمت کو چوڑ میں چھوڑ کر پدمنی کی تلاش میں سراندرپ جاتا ہے اور بالآخر اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے اس عرصہ میں وہ ناگمت کی خبر بھی نہیں لیتا۔ ناگمت کے لیے جذباتی جب ناقابل برداشت ہو جاتی ہے تو وہ پرندے کے ذریعہ اپنے شوہر رتن سین کو پیام بھیجتی ہے۔ جائسی کے الفاظ میں وہ پیام یوں ہے :

”اے پرندے ! ان سے کہنا۔ تمہارے بغیر ایک ایک پل مجھے ایک ایک برس لگتا ہے اور ایک ایک برس ایک ایک ٹیگ معلوم ہوتا ہے۔ ہر شام راستے پر نظر جمائے رہتی ہوں شاید تم آتے ہو۔ میں تمہاری آگ میں ایسی جلتی ہوں جیسے دھوپ میں پریت۔ تم آ کر اس آگ کو میرے حق میں گلزار کر دو۔ کچھ ناپاتی بن ناگ ہو کر ڈستا ہے۔ بدن کا گوشت خشک ہو گیا ہے۔ جی میں آتا ہے اپنا تن جلا کر خاک کر دوں۔

اور اے پرندے ! پدمادت سے کہنا جس نے میرے شوہر کو فریفتہ کر رکھا ہے۔ اے شوہر چھینے والی۔ تو گھر والی بن کے لٹھی ہے اور میں سوئی پڑی ہوں۔ تیرے بدن کو تو آرام ملے اور میرے تن کو پڑا۔ میں بھی بیباہی گئی ہوں تیرے شوہر کے ساتھ۔ اس پر میرا ادھیکار بھی ہے۔ اب مہربانی کر کے میرا شوہر مجھے لوٹا دے۔ مجھے عیش و عشرت سے کام نہیں۔ نقطہ دیا گیا ہے۔

ہوں تو میری سوت نہیں۔ میری دشمن ہے۔ میرا شوہر تیرے ہاتھ

میں ہے۔ ایک بار جس طرح بھی ہو مجھ سے ملا دے۔“

خلیل نے اس پیام کو بھی ٹھوکی کی ترمیم کے لئے خط میں تبدیل کر دیا ہے لیکن جو کچھ لکھا ہے اس سے جاکسی کے پیام کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ نامہ انھوں نے اپنے تخیل کے مطابق منظوم کیا ہے اور ناگت کے جذبات مفارقت کی ترجمانی بڑے دلکش انداز میں کی ہے۔

لکھا عاشق غائبانہ اسے	لکھا بے وفائے زمانہ اسے
درد بحرنا آشنائی لکھا	شہ کشور بے وفائی لکھا
کدھر رہ رہا مجھ کو تڑپا کے تو	کہاں چھا رہا بیوفا جا کے تو
خبر اس کی کچھ کیفیت تم ہی ہے	تجھے فکر کچھ ناگت کی بھی ہے
ترے گھر سے تیرے مکاں چلی	تری ناگت تو جہاں سے چلی
چلی پھیر کر منہ جوانی سے وہ	چلی روٹھ کر زندگانی سے وہ
کسی روز دل کو نہ راحت ملی	مجھے تو نہ دنیا کی لذت ملی
پریشاں ہمیشہ چمن میں رہی	اکیلی بھری انجن میں رہی
زمین پھیر گئی آسمان پھیر گیا	پھر اچھ سے لو کیا جہاں پھیر گیا
مکاں میں اکیلی رہوں کس طرح	بتا تو ہی یہ غم سہوں کس طرح
یہ جی میں ہے کچھ کھلے مر جاؤں	نہیں سوچتا کچھ کدھر جاؤں
وہ مغموم خوش اپنا جی کیا کرے	وہ مددوں کی ماری خوشی کیا کرے
لگا کر گلے سونے والا نہ ہوا	کہ جب گھر میں گھر کا اُجالا نہ ہو
کٹے چاندنی رات کو کس طرح	کٹے ہائے برسات کو کس طرح
جوانی کی راتیں جوانی کے دن	کٹیں کس طرح زندگانی کے دن
نہ دو روز بھی ہمکارتی رہی	دہن بن کے کنواری کی کنواری رہی

کھڑی ہو وہاں سیاہی لگ جائے۔ میں اسی ڈر سے تیرے پاس
نہیں بٹھتی کہ میں بھی کہیں سالانہ ہو جاؤں۔ رات بھر جل جل کے
تو پیاسی مرقی ہے جب صبح ہوتی ہے تو شوہر کی بویاقتی ہے۔
ناگمت بولی۔

کنول تو میں ہوں۔ آفتاب میرا شوہر ہے۔ میں اس سے خوش وہ
مجھ سے خوش۔ جودن والی ہے شوہر اسی کے پاس آنا چاہے۔ رات
کی کیا حقیقت ہے جس میں کچھ نظر نہیں آتا۔

پدمی نے وار کیا:

”میں نے سارے زمانہ کا سخن جیت لیا ہے۔ زلفیہ سیاہ ناگن سے
آنکھیں ہرن جیسی ہرن سے، کونل سے گلا، سارے گردن،
چیتے سے کمر، اور سنس سے چال میں نے پائی ہے۔
ناگمتی اس کی ہنسی اڑاتی ہوئی بولی:

پرانی زینت پر کیا اتراتی ہو جن کی یہ چیزیں ہیں اگر وہ لے لیں
تو تیرے پاس کیا رہ جائے گا۔ میں سالوئی ہوں۔ سالوہ رنگ
میلج ہوتا ہے۔ تو میرے مقابل ایک چھکی کھلی ہے۔

پیدمادت جھلا گئی تنک کر کہا:

ناگمتی زیادہ نہ بک۔ بس کراپی کتھا۔ اسی طرح دونوں ایک دوسرے
کو لٹکارنے لگیں۔ دونوں کی باہنوں کا زور ہونے لگا۔ سینہ
سینہ مقابل ہوئیں تو جھکے نہ جھکتی تھیں۔ محرم کے بند
ٹوٹ گئے۔ دوست ہاتھی ایک دوسرے سے بھڑکے، بھاگے

گئی رات بدل پر نہ آئی بہار سر اندپ میں جا کے چھائی بہار
ہر اک سمت بادل برستا رہا مگر کھیت میرا ترستا رہا !!
نبوں پر ہے دم شوق دیدار میں پڑی ہے مری ناؤ منجدھار میں
یہاں تک تجھے اب ہے آنا ضرور مجھے مشکل ہے اب دکھانا ضرور

ناگمت اور پدموت کی ٹوک بھونک :

جائنی کی پدموت مناسب سے دلچسپ حصہ وہ ہے جہاں ناگمت اپنے باغ
کی سیر کی دعوت پدموت کو دیتی ہے۔ اس سوتیا ڈاہ سے کرباغ کی سجادوں دکھا کر
پدموت کو شرمندہ کرے۔ جائنی کے پاس اس واقعہ کا بیان حسب ذیل الفاظ میں ملتا
ہے :- ”ناگمت نے اپنے باغ کی تعریف غرور سے کی تو پدموت نے
نہیں کر کہا۔ تمہاری پھلواری اچھی تو ہے لیکن تعریف کے قابل
نہیں۔ جہاں ناگمت اور مالتی کے پھول ہوں وہاں سنگدھار کیوں،
جس جگہ آم کے درخت ہوں وہاں نارنگی کیسی؟ جہاں پھول
دار درخت ہوں وہاں پھلدار درخت کا کیا کام؟ ناگمتی نے جواب دیا:
میرے باغ کو الزام دیتی ہو۔ میں اگر اعتراض کر بیٹھوں تو تمہارا منہ
سوکھ جائے۔ دو شاخیں جب رگڑ کھاتی ہیں تو آگ نکلتی ہے کچھ
دشمن اور میرا کیا ساتھ۔ تو اپنی حد میں رہ مجھ سے لڑائی پر کیوں تلی
ہے۔ میں رانی ہوں میرا شوہر راجا ہے۔ تو کون ہے؟ جس کا خصم
جوگی ہے۔

پدمنی جل کر بولی :

میں پدمنی مانسروڑ کا کنول ہوں۔ بھودرا اور سنس میری خدمت کرتے
ہیں۔ میں پوجے جانے والی چیز ہوں۔ تو ناگن زہر بھری، جہاں

تجارتِ خلیل میں سوتھوں کی اس لڑائی کا نقشہ بڑے مزیدار انداز میں کھینچا گیا ہے۔

جائسی کے بیان میں اتنی دلفری اور دلکشی نہیں ہے خلیل نے ان کے مکالموں میں بڑی جان ڈالی ہے جیسا کہ ذیل کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے :

ناگمت	مرے باغ کا کوئی ہمسر نہیں	کوئی باغ اس کے برابر نہیں
پدماؤ :	مگر تم کو کہنا یہ زیبا نہیں	کوئی باغ ابھی تم نے دیکھا نہیں
	سراندیپ میں جو مرا باغ ہے	عجب پُر فضا دلکش باغ ہے
	مقابل اگر اس کے یہ باغ ہو	تو لالہ سا ہر چول میں داغ ہو
	مجھے سخت حیرت اس بات کی	کہ مدحت سرانم ہو کس باغ کی
	تاش کے قابل تو گلشن نہیں	کسی پھول پر اس کے جوہر نہیں
	یہ کیوں پڑتے طائے گتے	گھٹنے اس قدر کیوں اٹکا گتے
	یہ بے میل ہر ایک تھلا ہے کیوں	یہ سون کے تختے میں لالہ کیوں
	جنبل یہاں اور سیلا وہاں	ہزارا یہاں اور گیندا وہاں
	یہ لسن سے ہے لسن کیوں	پڑی ہے وہاں یاں کیوں لگ
	یہی صپ کی یاں ضرور تھی کیا	شریفے لگانے کی حاجت تھی کیا
	نہیں کوئی تختہ بری عیب سے	جو کیاری ہے وہ ہے بھری عیب سے

ناگمت :

مجھے رنج دین کی گھاتیں ہی یہ	خدا کی عداوت کی باتیں ہی یہ
امارت نفاست کی لیتی ہو تم	یہی ہر گھڑی چھیڑ دیتی ہو تم
کبھی یوں نہ ہوگا تمہارا چمن	نہ اس طرح ہوگا سنوارا چمن
سجاد کو تم جانتی ہی نہیں	تین باغ پہ جانتی ہی نہیں
تمہاری نہ اتنی یہ خصلت گئی	اُٹھنے کی سب سے نہ عادت گئی
چند سے گو منہ کی بھی کھا چکیں	ننگبر کی اپنی سزا پا چکیں

پدماؤ :

ناگمت

بھلا محب کو آخر ندامت ہو کیوں
مری تجھ سے کیا کچھ ہے صورت بُری
تیری طرح گو گوری چٹی نہیں
نمک جو میرے سالو لے پن میں ہے
تجھے حشر تک بھی ملیں نہیں
نہ شوخی ہو جس میں وہ عودت ہی کیا
مجھے اپنے دعوے یہ خجالت ہو کیوں
طاحت بُری ہے کہ رنگت بُری
مگر میں غضب کی ہوں مٹی نہیں
جو جادو مری تر تھی چٹوں میں ہے
حسین کوئی میرے برابر نہیں
نمک ہو نہ جس میں وہ صورت ہی کیا

پداوت

وہ بولی کہ چل ہٹ سرک دو رہو
بڑی ایک یہ حُسن والی ہوئی
مرا جائے سا جا سے تو حال پوچھ
لیا تھا یہ جوگ اس نے کس سے لئے
زمانے میں مجھ سا حسین کون ہے
پیری سامنے میرے آتی نہیں
مرے آگے تیری حقیقت ہے کیا
اے میں جہاں میں عجب چیز ہوں
گٹاری سے بڑھ کر نظر ہے مری
ہزاروں میں ہے ایک صورت مری
خلیل نے جاشی کے بیان کو جو بہت ہی مختصر ہے دراز کیا ہے اور سوتلوں کی لڑائی
زمانے میں ہر سو ہے شہرت مری

کہ سوتانی بہابیات کی ترجمانی کے ساتھ حقیقت کا رنگ بھرتے ہوئے اس دل چپ
انداز میں پیش کیا ہے کہ بسیاختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔

علاء الدین کا آئینہ میں پدماوت کا عکس دیکھنا :

سلطان علاؤ الدین اور پدمنی کا یہ واقعہ اگرچہ تاریخی کم اور افسانوی زیادہ ہے لیکن بعض تاریخوں اور روایتوں میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ جاکسی کی پدماوت کا دوسرا حصہ اسی تذکرہ کے گرد گھومتا ہے۔ پدماوت کا عکس آئینے میں سلطان نے کس طرح دیکھا جاکسی اسے یوں بیان کرتے ہیں :

”علاء الدین نے رتن سین سے صلح کر لی۔ رتن سین نے بادشاہ کو قلعہ کے

سیر کی دعوت دی اور بڑا اہتمام کیا۔ بادشاہ نے جہاں قیام کیا وہاں دیوار میں ایک آئینہ لگا دیا تاکہ جو کچھ جھردے میں آئے نظر پڑ جائے۔

راجہ اور بادشاہ بظاہر چوسر کھیلنے تھے لیکن بادشاہ کا دل آئینہ

میں لگا تھا۔ پدماوت کی ہلیوں نے جو دعوت کے اہتمام میں

تھیں پدماوت کو بتایا کہ دہلی کا بادشاہ چوڑ کے قلعہ میں آیا ہے تم

بھی چل کر اس کو دیکھ لو کہ دیکھنے کی حسرت نہ رہے۔ پدماوت

بناؤ سنگار کر کے جھردے میں آ بیٹھی۔ جوں ہی چلمن سرکاری بادشاہ

نے اس کا عکس آئینہ میں دیکھ لیا۔ آنکھ پلٹے ہی ایسا مسحور ہوا کہ

غش کھا گیا۔

بُتخانہ خلیل اور شمع و پروانہ دونوں ٹنولیوں میں اسے مختلف طریقے پر نظم کیا گیا ہے۔

شمع و پروانہ

بُتخانہ خلیل

رتن سے کر کے فوراً کچھ بہانہ

ہوا بادشاہ جلوہ نما وہیں

منگا کر جلد آئینہ نہ و شانہ !!

گئے جم سب اعلیٰ دادی وہیں

رکھا اپنے روبرو آئینہ آگرہ بار

اک آئینہ سلطان کے خدام نے

کیا شانہ پھر اپنی بانہ بھی کستار

وہیں رکھ دیا شاہ کے سامنے

یہ تعلیم راجہ کے دشمن کی تھی یہ تدبیر راگھو برہمن کی تھی
 کہا تھا کہ جب آپ لان جائیں گے قیام اس جگہ کچھ جو فرمائیں گے
 تو وہ مکمل سنے گی یہ اندر ضرور وہ مجھائیگی کوٹھے پر چڑھ کر ضرور
 رہے گا جو یہ آئینہ سامنے تو عکس اس کا آجائے گا سامنے
 ہوا واقعہ درحقیقت وہی شہنشاہ کو پیش آئی صورت وہی
 پس پشت سلطان کے در تھا کئی اسی سمت واقع تھا منظر کوئی
 اس کے وہ چلن سے جا کر لگی ادھر جھانکنے وہ گل تر لگی
 چھایا جس اس کا چلن سے وہ پڑا آئینہ کے آئینے پر چھن کے وہ
 پڑا عکس کیا شہ بہ سجلی گری اُلٹ کر سرفاک کر سی گری

کہاں راجہ کو عقل نکلتے چینی سمجھتا تھا کہ وہ جو چال ایسی
 غرض وہ سادگی سے فارغ البال نگہ بریا کھڑا تھا شاد و خوشحال
 بزرگ آئینہ با چشم حیراں ادھر یہ منتظر بیٹھا تھا سلطان
 کہ اس میں وہ یدم کو شاد و خرم لگی ترغیب دینے اس کی یدم
 کہاں دہلی کا سلطان یاں کہلے عبث تیرے لئے زحمت اٹھا
 وہ زیر غرغہ اب بیٹھا ہے آکر چلو تو دیکھ لیو یہ اس کو جا کر
 غرض لے ساتھ کتنی ماہ پارہ لب ہام آئی وہ بہرہ نظارہ
 درپے کچے سے جوہنی چلن اٹھائی سراپا صورت آئینے میں آئی
 نظر پڑتے ہی اس کو غش سا آیا کہے تو ہو گیا یہ لوں کا سایا

سرایا :

شہنلوں میں سراپا لکھنے کی رسم ماا ہے۔ واسوخت میں تو سراپا لویا اپنے انتہائے
 کمال کو پہنچتی ہے۔ بعض شاعروں نے صرف سراپا میں اپنے کمال کے جوہر دکھائے۔

طویل عشقیہ بیانیہ نظموں میں سراپا بیان کرنے کے اچھے مواقع ملتے ہیں۔ ہندی اور سنسکرت میں بھی ”مکھ سکھ“ کے نام سے یہ صنف بہت رائج ہے۔ کالیڈاس نے شکنتلا کا جو سراپا کھینچا ہے اس کو پڑھ کر ایک یورپی تنقید نگار لکھتا ہے کہ کالیڈاس کے اشعار سے شکنتلا کی جو تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے اتنی حسین اور نازک عورت کا تصور کوئی ادب نہیں پیش کر سکا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جالشی نے سنسکرت ادب سے استفادہ کر کے اپنی پدمات کا سراپا نظم کیا ہے اور اتنی نازک خیالیاں اس میں بھردی ہیں کہ وہ اردو ادب کے لیے الٹھی چیز ہیں۔

ملک محمد نے پدمات کا سراپا بڑی محنت اور فرصت سے بکھا ہے۔ یہ سراپا بہت زیادہ طویل ہے، ایک ایک عضو کی طرح دو وضاحت میں متعدد اشعار نظم کرتے چلے گئے ہیں۔ یہ سراپا پدمات میں دو مقامات پر آیا ہے۔ ایک تو نے کی زبان سے رتن سین کے سامنے، دوسرے راگھو بہمن کی زبان سے علاؤ الدین کے سامنے تشریف استعاروں کی ندرت و حدت اور معنویت کے ساتھ ہندی مذاق تسلیم کا جو طور ان دونوں سراپا میں ملک نے اختیار کیا ہے اس کا اندازہ سراپا کے مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے اس طویل سراپا کا خلاصہ یہ ہے :

”چہرہ سورج کی طرح نہیں سورج ہے۔ کوئی نظر بھر کر اسے نہیں دیکھ سکتا۔ اس کے کنول جیسے بدن کو ہوا چھو کر درخت کو لگے تو درخت ہلکنے لگے۔ بالوں کا پیچ و خم سانپ کا سا ہے۔ نرم گرہ دار زلفوں کے سانپ لہریں لیتے ہوئے پھین نکالے ہیں گویا صندل کی خوشبو میں آلودہ ہیں۔ یہ گھونگھر یاں زلفیں ہر

۱۔ اس موقع پر جلیل مانیکوری کا یہ شعر یاد آتا ہے
لگاہ برق نہیں، چہرہ آفتاب نہیں : وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تائیں نہیں

میں بھری ہوئی زنجیریں ہیں جس کی گردن میں پھندا پڑا وہ اس کا غلام ہوا۔

مانگ سورج کی ایک کرن ہے جو آکاش پر نمودار ہے۔ جتنا سے گویا سوتلی ندی آملی ہے۔ اس پر جو پردے ہوئے موتی ہیں گویا جہنا کے اندر گنگا کا من۔ سیندر بھری مانگ گویا اندر رین میں دیا کی جوت۔ یا کسوٹی پر سونے کی لکیر گھنگھور گھٹائیں بجلی کا کوندا۔ اس کے سر کی چوٹی کی طرف سانپ دیکھے تو اس کے پاؤں پر گر پڑے۔ چوٹی جب وہ کنگھی کرنے کو کھولتی ہے تو دنیا چراغ روشن کر لیتی ہے۔

اس کی پیشانی کو ہلال کیوں کہوں۔ ہلال میں اتنی روشنی کہاں ہزار حصہ اگر سورج روشن ہو اس کی پیشانی کو دیکھ کر چھپ جائے۔ چاند اس کے مقابل نہیں ہو سکتا اس لیے اماؤں میں غائب ہو جاتا ہے۔ ہمدرد بھی اس کے سامنے سر بسجود ہیں۔ بھویں گویا سیاہ کمانیں کھینچی ہیں جس کی طرف دیکھا زہر کا بان مارا۔ اسی کمان سے راون مارا گیا اسی کمان نے کنس کا سر اُتارا۔ وہ بھویں ہلائے تو پر بت اپنی جگہ سے ٹل جائے۔ پلکیں گویا دونوں میں مقابل کھڑی ہیں۔ رام اور راون کے لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہو گئے۔ آنکھیں دونوں گویا گہری جھلیں ہیں۔ سرخ کنول سمجھ کر بھونے اس پر منڈلاتے ہیں اگر گردش کریں تو آسمان کو اُلٹ دیں۔

ناک اس کی دیکھ کر تو تاشہ مارتا ہے۔ جتنے پھول خوشبودار ہیں سب اُمید لگاتے ہیں کہ شاید ہم کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے۔ لب ایسے کہ لالہ صحرائی انھیں دیکھے تو جنگل میں جا چھپے۔ بات کرنے

کبھی جاتی نہیں کمر کی لچک پائی چیتے نے کب یہ ایسی چمک
 یوں سیہ مست چھوٹے آتے ہیں مست جوں ہاتھی ہولے آتے ہیں
 مانگ موتی بھری وہ دے ہے بہار جیسے بگلوں کی بدلی میں ہو قطار
 سراپا میں کوئی عضو نہیں چھوڑا اور اس دھن میں وہ حد سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔
 حسین نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی ہے۔ مخمفر نکھا ہے نسیم کے اختصار نے سراپا کے
 لئے کوئی گنجائش نہیں رکھی۔

خلیل کے یہاں قدرے تفصیل ملتی ہے لیکن انھوں نے جالسی کی ناز کنجیا لیوں اور
 تفصیلات کو چھوڑ کر اپنے تخیل سے کام لیا ہے۔ اپنے سراپا کو اعضائے جہانی تک
 محدود نہیں رکھا ہے۔ اس میں نکھ سے سکھ تک اعضائے جسم کے نشیب و فراز
 بیان کرنے کے علاوہ تمکنت۔ بانچن۔ بچین۔ نازداد۔ تغافل۔ جیا شوخی۔ تبسم
 اور غرور کی اداؤں کو بھی سراپا میں شامل کیا ہے۔ ایک بڑا ذوق یہ بھی ہے کہ ہندوستان
 اور اس کے سوندھاپن کی جگہ ایرانی رنگ غالب ہے۔ شمع و پروانہ کے سراپا میں
 بھی فارسی شوی کی تقلید جھلکتی ہے۔

شمع و پروانہ

بتخانہ خلعت

ڈھلا اس کا سانچے میں سارا بدن نظر جس کو پڑا اس کا سراپا
 بہاروں سے بھی بڑھکے پیارا بدن وہیں دل سے اٹھا اسکے بھوکا
 نظر کھپ رہی ہے کہ نشتر ہوں میں کماں ہیں تیغ ابرو میں کہ کیا ہیں
 چھری سے کٹاری سے بڑھ کر سنوئی ہلال لوک محراب و عشا ہیں
 وہ مانگ اس کی ہے راہ ظلمات کی وہ بادام سیہ با چشم جادو
 جبین چاندنی چودھویں رات کی ہیں صیاد جہاں آنکھیں کہ آہو
 قیامت کی شوخی بھری آنکھ میں دل اسکی مانگ کے رشتے میں شذر
 جوانی کی مستی بھری آنکھ میں کہ آدھی رات اندھیری جاگنیں گیدر

کے لیے جب وہ اپنے سرخ لب کھولتی ہے تو ان سے رنگ ٹپکتا ہے۔ اس کے لب سے نکلی ہوئی باتیں سن کر سیپاں موتیوں سے بھر جاتی ہیں۔

دانتوں سے کرن چھوٹی ہے جیسے بہاروں کی رات کی بجلی۔ پیرا ان دانتوں کے عکس سے روشن ہو جاتا ہے۔ انار ان کی برابری نہیں کر سکا رشک سے اس کا سینہ چاک ہو گیا۔

رخسار کیا ہیں نارنگی کے دو ٹکڑے ہیں۔ بائیں رخسار پر جوئی ہے گویا آگ کا تیر ہے۔ اس تل سے جس نے دشمنی کی وہ عمر بھر جلتا رہا۔ قطب تارا اُسے دیکھ کر انگشت بندھا ہے۔ کبھی نکلتا ہے کبھی ڈرتا ہے لیکن تل اپنی جگہ چھوڑ کر نہیں جاتا۔

سینہ تھال ہے اور پستان سونے کے کٹوے۔ گویا ایک تخت پر دو راجا بیٹھے ہیں۔ بھونرا جس طرح اپنا ڈنک کیسکی کے پھول میں چھبوتا ہے اسی طرح ہستانیں محرم میں چھید کیا چاہتی ہیں۔ آبجیات سے بھرے ہوئے دو کوزے انگیا میں بند ہیں۔ دو آتشیں تیر گویا کمان سے نکلنے کو بے چین ہیں۔ اگر بند نہ ہوں تو زمانے بھر کو مخرج کر ڈالیں“ لے

اس قسم کا تفصیل سراپا بہت کم اردو شاعریوں میں نظر آتا ہے۔ ابتدائی شاعریوں میں میراث کی شاعری ”خواب و خیال“ میں مکمل سراپا ملتا ہے جس کے تقریباً تین سو شعر ہوں گے۔ سراپا کے لیے زیادہ تر فارسی ترکیبیں استعمال کی ہیں مگر ہندی تشبیہوں سے بھی کام لیا ہے مثلاً:

۱۰۵

منظر رنگاری

وہ لب اس کے یا قوت سے لال ہیں
 وہ بے پان کھائے ہوئے لال ہیں
 ملائم ہیں دست جنائی بہت
 نزاکت لئے ہے کلائی بہت
 حبیب شمع کی کو سے بھی ناک ہے
 عیاں صفت ایزد پاک ہے
 عجب اس کا منہ ہر عجب ادانت ہیں
 ڈھلے ایک سانچے میں سب ادانت ہیں
 ذہن لور کا دونوں لب لور کے
 جو اعضا بدن کے ہیں سب نور کے
 نہ یلے کی کلیاں حسیں اس طرح
 نہ موتی کی لڑیاں حسیں اس طرح
 وہ رانیں بھری چکنی چکنی سڈول
 بہت ہی مناسب بہت ہی سڈول
 وہ تلوے کہ آئینہ حیران ہے
 صفائی پہ دونوں کی قریان ہے
 درد ندان دہن میں یوں ہیں باہم
 نہاں غنچے میں جوں قطرات شبنم
 جو آہو گردن اسکی دیکھ پائے
 خجالت سے نہ پھر گردن اٹھائے
 مسی مالیدہ لب وہ اور ندان
 سر ابرسیہ برق درخشاں
 حجابِ چشمہ خوبی وہ پستاں
 دیا ہیں دو انار باغ رضوان
 کمر کا اور سریں کا ہے وہ عالم
 کہ دو موتی ہیں اک رشتے میں ہم
 وہ نازک کان میں جو بالیاں ہیں
 جھکی پھول اور پھولوں کی ڈالیاں ہیں
 نہ پہنچا ناف تک اس کے قیافہ
 کہ تھا وہ حسن کے آہو کا نافہ
 حیا آگے ہے لب اب منع کرتی
 سر عجز اپنا ہے زانو پہ دھرتی

منظر نگاری :

منظر نگاری کو ثنوی کا اہم جزو مانا جاتا ہے۔ ثنوی میں جو کچھ بیان کیا جائے ضرور ہے کہ اس کا نقشہ لنگاہوں کے سامنے آجائے۔ داستان میں جذبات لنگار اور تہ لنگار

کے ساتھ ساتھ مناظر فطرت اور مناظر حسن و دکھتی کی تصویر کشی کے مواقع آتے رہتے ہیں۔ ملک محمد جائی نے فراق و وصل کی کیفیات اور جذبات کی تصویر کشی پر زیادہ توجہ دی ہے۔ صبح و شام یا چاندنی رات پر نظم نگاری نہیں کی ہے ”بارہ ماہ“ میں موسموں کا ذکر کیا ہے تو اسے ناگت کے فراق میں ڈلو دیا ہے خلیل اور عشرت نے فاری ثنوی کی تقلید میں منظر نگاری کو نظر انداز نہیں کیا ہے۔ کئی مواقع پر اچھے نمونے پیش کئے ہیں جو فطرت کے عین مطابق ہیں۔ قدرتی مناظر کی تصویر کشی زبان و بیان کی سادگی کے ساتھ بہت لطیف دیتی ہے۔

باغ کا منظر

تجناہ خلیل میں پدہنی کے باغ کا منظر بڑی لطافت سے نظم کیا گیا ہے خلیل نے حیرن کے اسلوب کو اپنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ انداز بیان ایسا ہے کہ دونوں کے اشعار ایک دوسرے کا گمان ہوتا ہے۔ دونوں کا تقابلی مطالعہ دلچسپ ہوگا۔

سحر البیان

تجناہ خلیل

وہ گلزار بھی معدن لور تھا ہوائے بہاری سے گل ہلے

عمداری نذر ہے ہر طرف سیاہی زمانے سے ہے ہر طرف
فدا ہو رہی ہے چمک ماہ پر گمماں کھکشاں کا ہے ہر راہ پر
چمکتا ہے مہتاب اس شان سے کہ قربان تارے ہیں سو جان سے
فلک حسن پر اپنے مغرور ہے جو تارہ ہے خال رخ حور ہے

موسم گرما کا منظر

وہ دن جیسٹہ بیاکھ کے اردوہ دھوپ
چکر خشک ہوتے تھے لب کی طرح
بڑا دھوپ زور دنیا میں تھا
جو غنچہ تھا شکاں اس یہ تھا خار کا
تپش سے تھے چھالے جگر میں پڑے
وہ چلتا دہاں لوکا اللہ رے
ہوا آگ تھی، ہر مکان آگ تھا
یہ سوزش تھی چھالے گہر ہو گئے
درختوں کے سب بھول چھل چھن گئے
ہر انخل کوئی نہ پایا تھیں
ہر اک شے تھی بدلے ہوئے اپنا روپ
سیہ نام دن بھی تھا شب کی طرح
سمندر بھی پوشیدہ دریاں تھا
جو تپا تھا چہرہ تھا بیار کا
پھپھولے تھے پائے نظر میں پڑے
چمکتا وہ بالو کا اللہ رے
زمین آگ تھی، آسماں آگ تھا
جو ذرے اڑے وہ شر ہو گئے
اڑے جو پند وہ جل جھن گئے
نظر سبز تپانہ آیا کہہ میں

رقص و نغمہ کا منظر

رتن سین اور پیدمات کی شادی کے موقع پر خلیسہل نے ناچ گلے کا منظر
بڑی خوبی سے پیش کیا ہے۔ سحر البیان میں بھی یہ منظر ملتا ہے۔
سحر البیان
بتخانہ خلیسہل
بلائے تھے دو طائفے نذر کے وہ رقص تماں اور وہ ستھری الہا

تجلی وہ ٹکشن طور مہتا
 کہیں ارغواں تھا چنبیلی کہیں
 مہکتی تھی جوئی اکسلی کہیں
 نہ خالی تھی پھولوں سے تل پھری
 گلوں سے سوا تھی معطر زہیں
 ہوا تھی شاخیں کھلی اس طرح
 جھکے دلہن ہو نظر جس طرح
 مدد بان کی اور ہی شان تھی
 وہ بویاں تھی عقل حیر تھی
 مہک اس کی سائے چمن سے جدا
 سمن سے جدا یا سمن سے جدا
 سے ناک تھا اثر پھول میں !
 مہک ساغر مل کی ہر پھول میں !
 دوا پھول ہر زخم ہر داغ کی
 بہار ایک غنچے میں سواغ کی

چمن سائے شاداب اور ڈھلج
 زمر کے مانند سبزے کا رنگ
 روشن پر ہوا ہر لگے جیسے سنگ
 چمن سے بھرا باغ گل سے چمن
 کہیں نرگس و گل کہیں باسمن
 چنبیلی کہیں اور کہیں ہوتا
 کہیں رائے یل اور کہیں سوگرا
 کہیں جعفری اور گیتا کہیں
 سماں شب کو داو دیوں کا کہیں
 کھڑے سرو کی طرح چنیا کے جھاڑ
 کہے تو کہ خوشبوئیوں کے پہاڑ
 گلوں کا لب نہر پر چھوستان
 اسی آنے عالم میں منہ چومنا
 چمن آتش گل سے دہکا ہوا
 ہوا کے سبب باغ مہکا ہوا

چاندنی رات کا منظر

ہر اک سمت پیہم برستا ہے نور
 جدھر دیکھتے لوری لوری ہے
 وہ شب ہے کہ دل ہے روشن سوا
 یہ کہتے ہیں ذرے تارے ہیں ہم
 سر آسماں ہے دماغ زمیں

چھا چھم چھا چھم برستا ہے نور
 شجر جو ہے نخل سر طور ہے
 شب قدر سے جلوہ افکن سوا
 حینوں کی آنکھوں کے تارے ہیں ہم
 نہ چارہ وہ ہیں حیران زمیں

روپے کا آخیل ٹمکا چلا وہ گوٹا سنہرا جھلکتا چلا
 وہ دھانی روپہ وہ لچکے کی گوٹ ستم ڈھاری مٹھی پڑا قے کی گوٹ
 جفا ساٹھ شوخی حیا ساٹھ ساٹھ کرشمہ نزاکت ادا ساٹھ ساٹھ
 دل باغ کو داغ دیتی ہوئی نکل و غنچہ کی جان لیتی ہوئی
 رخ گل پہ انسر دگی چھپا گئی کلی جو کھلی تھی وہ سر تھپا گئی
 اڑا رنگ پر پھول سے بو کی طرح ندامت سے سمٹے لجا لو کی طرح
 کوئی گل نہ تھا جو پشیاں نہ تھا سلامت کسی کا گریباں نہ تھا

پدماوت کے سونے کا منظر:

قیامت کا سونا حیلوں کا ہے ستم انیدنا ناز نیوں کا ہے
 ستم ڈھاری ہے جوانی کی نیند وہ مٹی بھری شادمانی کی نیند
 لگی صاف چادر ہے تالین پر چنے پھول ہیں کچھ ادھر کچھ ادھر
 گلے میں ہے ہار اک معطر پڑا درپٹہ ہے نکل کا منہ پر ہڑا
 مگر لی ہیں جو کروٹیں ناز سے تو کچھ ہٹ گیا ہے وہ انداز سے
 بکھر کر پڑے کچھ ہیں چہرے بال ڈھکے ان سے کچھ پھول سے ہیں کمال
 مگر بال پٹے جو ہیں پیار سے دے ہیں جو تیکے پہ رخسار سے
 تو ظاہر ہیں کالوں پہ سائے نشان نظر آتے ہیں پیائے پیائے نشان
 وہ جو بن جو تنگی کے گھبراتے ہیں تو انکیا سے کچھ کچھ نکل آئے ہیں

پدماوت کے بناؤ سنگا رکی منظر کشی:

پدماوت کے دلہن بننے کی سجادٹ کا نقشہ اور بدرنیر کی بے نظیر سے پہلی
 ملاقات کے وقت آرائش کا سماں خلیل اور میرجن کے یہاں دیکھئے۔

کہ جس کو ملے تھے گلے نور کے
 انہیں جس گھڑی ناز و انداز سے
 چلی راگنی پردہ ساز سے
 جدھر تھک پڑیں اک ستم ڈھادیا
 کیجوں گو سینے میں تڑپا دیا
 زمیں پر نہ آہستہ تھوکر پڑی !
 جو تھوکر پڑی وہ جگر پر پڑی
 ہر اک کو ادائیں دکھانا انہیں
 دلوں کو بھگانا، رجھانا انہیں
 کوئی شوخ سرمایہ ناز تھی ؟
 کوئی جاکم ملک انداز تھی
 کوئی نازیں دلسر باد فریب
 سب ارباب محفل ادھر و جد میں
 سرچرخ زہرہ ادھر و جد میں
 شرارت وہ ان شاطروں کی غضب
 وہ مجلس بھی کیا لطف انگیز تھی
 بڑی داکت تھی دل آدیز تھی
 وہ گوری کی تانیں وہ طبلوں کی تان
 خوشی کی نہ بس ہر طرف تھی بساط
 لگے ناچنے اس پہ اہل نشاط
 کھاری کے جوڑے جھکتے ہوئے
 وہ پاؤں کے گھنگھرو جھکتے ہوئے
 بندھا سر پہ جوڑا پڑی زرد شال
 کمر کی لچک اور ہیک کی وہ چال
 وہ بڑھنا وہ گھٹنا اداؤں کیساتھ
 دکھانا وہ رک رک کے چھاتی ہاتھ
 کبھی دل کو پاؤں سے ٹی ڈالنا
 نظر سے کبھی دیکھنا بھالنا
 کبھی اپنی انگیا کو لینا چھپا
 دوپٹہ کو کرنا کبھی منہ کی ادا
 کہ پردے میں ہو جاتی لوٹ لوٹ
 وہ مسکی ہوئی چولی انداز کی
 عجب ایک عالم تھا بے ساختہ
 کہ عالم تھا اک اس پہ جان باختمہ

پدماوت کی بارغ کی سیر کا منظر :

چلی اس ادا سے وہ سوئے چمن
 اداؤں پہ گل جان دینے لگے
 ٹھہرتی، ٹھہرتی، چمکتی چلی
 پڑھی پیشوائی کو بڑے سمن
 قدم نئے اٹھ اٹھ کے لینے لگے
 کمر ہر قدم پر لچکتی چلی

پہنچتے ہی ہتھیار چلنے لگے ہم دار پر دار چلنے لگے
 چھنا چھن کی آواز آنے لگی اجل ہاتھ اپنا بڑھانے لگی
 برسے لگا خون میدان میں ہزاروں ہوئے قتل آگاہ میں
 کوئی ہو کے زخمی گرا تیر سے ترٹنے لگا کوئی شمشیر سے
 کہیں پار دل کے سناں ہو گئی کہیں تھک کے دہری کمال ہوئی
 گئی جس طرف تیغ سن سے نکل گئی خوف سے جان تن سے نکل
 چمک کر کبھی تیغ سر پر پڑی کبھی ہو کے ترچھی کمر پر پڑی
 کلائی کسی کی تہہ میں اڑ گئی وہ ہاتھ اڑ گیا آتش اڑ گئی
 کہیں تن سردی سے کٹ کر گرا کہیں تن سناں سے اُلٹ کر گرا
 ٹپکتا تھا سر سے چین سے لہو گریباں سے آستیں سے لہو

ساتھی نامہ :

ثنوی میں ساتھی نامہ کی روایت جب استعمال ہوتی ہے تو اس سے وہ اشعار مراد ہوتے ہیں جو داستان کے ذیلی عنوانات کی ابتداء میں بارہ و سابع کی اصطلاح میں موزوں کئے جاتے ہیں اور اس کا ربط آئندہ آنے والے واقعات سے قائم کیا جاتا ہے۔ جالسی کی پدماوت اس سے عاری ہے البتہ خلیل اور عبرت و عزت نے اس کا التزام کیا ہے جو فارسی اور دو ثنویوں کی تقلید میں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ رازی اور جرہی کی فارسی ثنویوں سے بھی یہ اسلوب لیا ہو۔

ساتھی نامہ وہی بہتر خیال کیا جاتا ہے جو واقعہ کے متن سے اپنا رشتہ جوڑتا ہے اور ان اشعار کو پڑھ کر فارسی کو یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اب بیان کیا سوڑ لینے والا ہے۔ مثال کے طور پر میرسن "بے نظیر کے حمام میں نہانے" کی ابتداء یوں کرتے ہیں :
 پلا آتشیں آب پیرمناں کہ بھولے مجھے سرد و گرم جہاں

بُخا نہ خلیل

وہ پیاری دھن کی بناوٹ ستم
وہ پوشش ستم وہ سجاوٹ ستم
وہ سب عطر میں اسکا ڈوبا لباس
وہ سپرے کا عالم وہ سحرِ لباس
وہ دلکش ہنک پھول کے ہار کی
تجلی وہ گھونگھٹ میں رخسار کی
وہ زلفیں وہ جوڑے کی تندرِ غضب
وہ قد اسکا آفت وہ پوششِ غضب
لچکنا کلائی کا کنگن سے وہ
نیا روپ بازو پہ جوشن سے وہ
وہ جھمکوں کا کچھ جھومنا یار یار
وہ بے پوچھے منہ چومنا یار یار
وہ دستِ خنائی کی رنگت ستم
وہ پھولوں کی پوروں میں کثرت ستم
بدن جا بجا سے چھپائے ہوئے
نمودار چیزیں چہرے پر سے
لبوں پر تبسم وہ ہر بات میں
سجراں وہ ابھری ہوئی گات میں

میدان جنگ کی منظر کشی :

سحرِ البیاں

وہ مکھڑے کا عالم وہ کنگھی کا رنگ
شب ماہ ہو دیکھ کر جب کو رنگ
وہ ستا وہ اس سے لبِ لعلِ نام
سوادِ دیار بدخشاں کی شام
وہ پشوازاں ڈانگ کی جگمگی
شاروں کی تھی آنکھ جس پر لگی
جو دیکھے وہ انگیا جواہر نگا
فرشتہ سے ہاتھ بے اختیار
وہ باریک کرتی مثال ہوا
عیاں موہ موجس سے تن کی صفا
مغرور ذری کا وہ شلوار بند
شریا سے تابندگی میں دو چند
وہ چھب تختی اس کی نزاکت نہاد
چمن زاد قدرت کا شعلِ مراد
بھری مانگ موتی سے جلوہ کناں
نمایاں شب تیرہ میں کہکشاں
وہ بالوں کی بورشک مشکِ خشن
وہ ڈوبا ہوا عطر میں اسکا تن

جو اثرِ دردِ نونوں طرف سے چلے

نکل کر جواں پٹی صفت چلے

وہ آتی ہے جھاجوں پر مری ہوئی
 نہ کیوں اب تک نے پہنتی ہوئی
 نظر اس طرف کیوں یہ نہ تھی نہیں
 پری ہے تو کیوں توں اڑتی نہیں
 اسی وقت تو قطعاً اپنے کا ہے
 نہیں تو مزہ کون جینے کا ہے
 طرحی ملے آج وہ نور کی
 بنی جس پہ ہو سبیل انگور کی
 کروں سیر نشے میں گلزار کی
 نکالوں مٹتا دل زار کی
 کہ سیر جن کو چلی بدنی
 لئے ساتھ اپنے کنیریں سمجھی

آغاز داستان :

مے ناب سے جام بھر ساقیا
 مجھے بھی مرید آج کر ساقیا
 بہت لوٹنے و دوڑنے پٹالا مجھے
 بلا آج اپنا پیالا مجھے
 کروں جس سے دل سے اٹھتا تری
 ملی ہے نصیبوں سے خدمت تری
 نہ تو بھی پورا شرابی مجھے
 چھلکتی ہوئی دے گلابی مجھے
 یہ غم جس سے میرا فراموش ہو
 طبعیت بڑھے دل کو اک جوش ہو
 دکھائے مزے خوش بیانی مری
 فسانہ ہو ہر سو کہانی مری

ناگمت کا سنگار کر کے اپنے حسن پر مغرور ہونا :

ہوئی کب سے ساقی یہ نخواست تھے
 نہ بھٹی پہلے ایسی تو غفلت تھے
 کسی کو تو اب پوچھتا ہی نہیں
 وہ ساغ نہیں وہ طرحی نہیں
 خدا سے لیے اب خبر بے ذرا
 دوائے قرارِ جگر بے ذرا
 ترا ناذا بیجا یہ بھاتا نہیں
 مجھے یہ تکبر خوش آتا نہیں
 اٹھا جام دینا نہ اب دیر کر
 خدا را مجھے سیر کر سیر کر
 ہوئی ایک دن صبح جب آشکار
 چلی ناگمت اپنا کرنے سنگار

اگر چاہتا ہے مرے دل کو چین نہ دنیا وہ ساغرِ جہرِ قسطن
 کہ دور ت مرے دل کی دھو ساقیا ذرا شیشہ سے کو دھو دھا کے لا
 کہ سرگرم حمام ہے بے نظیر گیا ہے بنانے کو بدرِ منیر
 یا کنوئیں سے بے نظیر کے نکلنے کے بیاں کی تمہیدِ میرجیوں قائم کرتے ہیں :

قدح بھر کے لاسا آئی ہمسیر کنوئیں سے نکلتا ہے یوسفِ عزیز
 گئے دن خزاں کے اور آئی بہار مئے لاکھوں سے دکھا لاکھوں
 گلابی چھلکتی پلا دے مجھے سماں کوئی ایسا دکھا دے مجھے
 کہ وہ ماہِ بخشِ کنوئیں سے نکل سنازل کو اپنے بھرے بر محل
 اندھیرے سے نکلا وہ روشن بیاں کہ حرفوں سے جوں ہو دیں معنی عیاں

شعبہ دہرِ حیات میں بھی ساقی نامہ کی پابندی ہے مگر برائے نام ہے۔ زیادہ
 تو جہ نہیں دیکھ ہے۔ زیادہ تر ایک دو شعر تک محدود رکھا ہے۔ مثلاً پدمات کی سیرِ باغ
 کی ابتداء میں دو شعر ہی سے کرتے ہیں۔

اٹھاب لے ساقی سرتِ خود کام مئے عشرت سے بھرے محکوکِ جام
 سواریِ باغ میں آئی پدم کی کروں تعریف اس پر شکِ ارم کی

اس کے برعکس خلیل نے ساقی نامہ کا خاص اہتمام کیا ہے۔ ہر باب کی ابتداء میں
 بالالترام کی کئی اشارِ مضموں کی مناسبت کے لحاظ سے سوزوں کئے ہیں۔ ذیل میں
 مختلف عنوانات کے تحت خلیل کے ساقی نامہ درج کئے جاتے ہیں جن کا مطالعہ کسی
 سے خالی نہ ہوگا۔

پدمات کا باغ کی سیر کو جانا :

بہار آئی ساقی بگستاں میں پھیر بھرے پھول کچھیں نے داماں میں بھر
 اٹھی دیکھ وہ کالی کالی گھٹا کیلجے پہ وہ چھانے والی گھٹا

رتن سین اور علاؤ الدین کی جنگ :

کہ رنگ اب بدلنے پہ ہے سماں
عوض نشہ کے میری ہمت بڑھے
اب اس وقت یہ چال چلتا ہے کیا
لگی ہونے جلوہ فشاں صبح جنگ

پلا جلد اے ساتی مہرباں
اٹھ اب مے وہ دج جس طاقت بڑھے
فلک رنگ دیکھیں بدلتا ہے کیا
ہوئی بائے کچھ کچھ غیاں صبح جنگ

رتن سین کا قید ہونا :

یہ چھایا ہوا سا قیغم ہے کیوں
سر خاک کیوں ہے گلابی پڑی
پڑے ہیں یہ اوندھے بکس لئے
بھرے اشک آنکھوں میں کیوں جام
اسیر غم نا اُسیری ہوا

یہ میخانے میں آج ماتم ہے کیوں
یہ کیوں ہر طرف ہے خرابی پڑی
یہ مے ہو گئی ہے لہو کس لئے
خرابات میں کیوں یہ کہرام ہے
رتن سین جب شکست کا قیدی ہوا

پدماوت اور رتن سین کی شادی :

یہ کیوں میکدے میں ہر غل شور آج
خوشی کا یہ ساقی ہے کیوں زور آج
یہ کیوں رقص کرتا ہے جام اس قدر
بنالکب سے ہے میکدہ ناچ گھر
لگن دخت رز کی پڑی کبکے ہے
خوشی کی آئی گھڑی کب سے ہے
یہ دن تو بڑے عیش و عشرت کا ہے
زمانہ طرب کا سرت کا ہے
وہ گلپوش مانجھے بھٹائی گئی
نظر سے چھپائی چھپائی گئی

رتن سین کا سراندریکے رخصت ہونا :

پریشیاں ہے ساقی طبعیت مری
سناٹی ہے اب مجھ کو دشت مری
بس اب میکدے سے دل اکتا گیا
مراجی بہت یاں سے گھبرا گیا
تمنا ہے پھر اب سفر کی مجھے
سناٹی ہے اب یاد گھر کی مجھے
روانہ وہ خط کر دیا جب ادھر
تو پھر کر دیا اس نے قصد سفر

رتن سین کا طوفان میں آنا :

نہ کر سا قیادیر سا غراٹھا
اٹھا کشتی مے کا لنگر اٹھا
بڑے جوش پر مے کا دریا ہے آج
ہر اک لہر موجوں پہ کیا کیا ہے آج
بط مے ہے کیا تیرتی ہر طرف
گھٹا بھی ہے کیا اٹھ رہی ہر طرف
دکھا دے وہ دریا دلی تو بھی آج
کہ رہ جائے حسرت نہ کچھ دل کی آج
کچھیں مے کی کشتی نہ چل کر رُکے
نہ شیشہ رکے اور نہ ساغر رکے
چلا جب رتن سین سوئے وطن
اسے لے چلی آرزوئے وطن

پنخانہ خلیل پر تنقیدی نظر

تقابل مطالعہ کے لیے جب ہم خلیل سے قبل کی دو اہم مثنویوں پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ سحرالبیان اور گلزار نسیم دونوں اپنی زبان اور اسلوب میں مجیداً جدا ہیں یہی ان کی انفرادیت بھی ہے۔ اسلوب خواہ کچھ ہی ہو سوال برتنے کا ہے۔ دونوں نے اپنی خصوصیات کو کمال تک پہنچایا اور دونوں نے عوام اور خواص کے دلوں میں اپنا گھر بنایا۔ ایک ضعفوں سے مزین ہے تو دوسرا سادہ اور بے ساختہ ہے۔

خلیل جن خفیل نے اپنی پداوت میں نہ صرف اس بحر کو اختصار کیا جو میرسن کی مثنوی سحرالبیان کی ہے بلکہ اسلوب نگارش کی بھی تقلید کی۔ سادگی، صفائی اور سہل انکاری خفیل کے عمری رجحانات کا تقاضا بھی تھا۔ لکھنؤ جہاں یہ مثنوی پداوت لکھی گئی

تانیث بھی رواج کے خلاف ہے،

ذیل کے چند اشعار متذکرہ بالا بیان کے ثبوت میں ہیں۔

رگِ گل جس کفِ پائے بردل سے سو جو رخار سے وہ غرقِ خوں ہے
پس از آولے شوقِ مد ملاقات بظاہر ہے برائے الفت آیات
غمِ اُفت میں اس کے پی شربِ روز ہوں پیرِ در سے یادِ رخِ دل افروز
عجب صورت سے اس کو جاکے دکھا تعجب جس سے اس تو تے کو آیا
انھوں کے خدمتِ عالی میں ہے عرض اور ان پر بھی قبولِ عرض ہے فرض
بیادِ روئے جاناں آخر کار ہوئی پردے سے شے کے طبعِ اظہار
دکھا دولہن نے مروارید کے ہار گلے ڈالے ہیں سیکرِ مگر طرِ حصار
چلے دہلی کی جانب بادلِ تنگ بظاہر صلیح لیکن پرستے میں جنگ

خلیل امیر بنیائی کے شاگرد تھے۔ اردو زبان پر انھیں قدرت حاصل تھی اس لیے انھیں ادائے خیال اور اظہارِ بیان میں کوئی دشواری نہ تھی۔ تقلید کے ساتھ انھوں نے جو دتِ طبع سے کام لیا ہے اور طبعِ ادشوی کی مانند اس میں اس میں اپنا رنگ سمو یا۔ اشعار بہتے چسے کی طرح رواں ہیں۔ محاورات اور روزمرہ کا استعمال بر محل اور شستگی کے ساتھ ہے۔ نمائش، تکلف اور تصنع کو جگہ نہیں دی ہے۔ بیشتر اشعار سہلِ مجمع کی تعریف میں آتے ہیں۔ بول چال کی زبان کا بھی خیال رکھا ہے۔ عام زبان لکھا اور اس کو عامیانہ اور مبتذل نہ ہونے دینا بہت بڑی بات ہے۔

خلیل کی صنایع یہ ہے کہ کلام میں تشنگی اور بے کسپی نام کو نہیں لفظی اغلاق اور معنوی پیچیدگیوں بھی نظر نہیں آتیں۔ شکل تو انی کو اس برجستگی سے باندھا ہے کہ

وہاں ناسخیت کا زور کم ہو گیا تھا۔ شاعری میں رعایت لفظی اور ضائع بدائع سے گریز کی روش رائج ہو رہی تھی۔ ینیم کی نگلزار ینیم کے قبول عام کے باوجود اس کی تقلید کا خیال خارج از بحث تھا۔ مذاق سخن تمام اصناف سخن میں زبان کی سادگی اور بیان کی صفائی کا تھا۔ خلیل نے جالسی کی پیدائش کی منظم کرنے میں اسی رجحان کو غیر شعری اور شعوری طور پر پیش نظر رکھا۔

”شمع و پروانہ“ بھی اس وقت خلیل کے سامنے تھی جو سحر البیان کے دس بارہ سال بعد لکھی گئی۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ اس کی زبان سحر البیان کے مقابلہ میں صاف سادہ اور واضح نہیں۔ خلیل کی پیدائش ۱۹۱۲ء یعنی سحر البیان کے ایک سو سال بعد لکھی گئی۔ اس وقت تک اردو زبان کے گیسو سوارے جاچکے تھے لاک پلک درست کئے جاچکے تھے۔ بکھنوں والوں کے ہاتھوں زبان و بیان کا بکھارا اپنے عروج پر تھا۔ اس لیے تنجائے خلیل کی زبان ان کے مقابل میں زیادہ پاک و صاف تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

شمع و پروانہ کے اشعار جو تقابلی مطالعہ میں پیش کئے جاچکے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فارسی ترکیبوں کی بہتات، تعقید، ابہام اور الجھاؤ ہے زبان کی قدامت کی وجہ سے بھی ناہمواری کا احساس ہر جگہ ہوتا ہے۔ روائی و حقیقی مفقود ہے۔ مصرع جھول رہا ہے۔ حشو و زوائد یعنی پھرتی کے الفاظ کی کثرت ہے۔ امیر احمد علوی عبرت و عشرت کے بیان اور ان کی زبان کے بارے میں رقمطراز ہیں:

روزمرہ اور محاورہ دونوں (عبرت و عشرت) کا قدیم ہے۔

متروک الفاظ دونوں استعمال کرتے ہیں۔ انت۔ ٹھک۔ پپر۔

لہو۔ ہنگاموں اور انھوں وغیرہ۔ رعایت لفظی پر دونوں جان

دیتے ہیں۔ محاورات کو نظم کرنے میں قواعد کا لحاظ نہیں رکھتے

تعقید کو معائب سخن میں شمار نہیں کیا ہے۔ بعض الفاظ کی تذکیر

عام بول چال کی زبان :

سنو تو یہ مجھ کو بلاتی ہے کون یہ چوڑی بجی کسی آتی ہے کون
اے در سے بھی تو لگی ہے کوئی ہو جلد وہ دیکھتی ہے کوئی

میری شکل و صورت تو اچھی نہیں اجی جھوٹ ہے سچ یہ کچھ بھی نہیں
تمہیں کہنے سننے میں جانا نہ تھا پرندے کی باتوں میں آنا نہ تھا

نہیں سوچتا کچھ کدھر جاؤں گی یہ جی میں ہے کچھ کھا کے مر جاؤں گی

وہ بولی کہ چل ہٹ سرک دو رہو زیادہ نہ بیہودہ بک دو رہو

چلی جب ذرا، چال وہ چل گئی کہ دل اپنے تلوؤں سے نل دل گئی

مرے دل کا داغ اب یہ جگنو بھی ہے مرے ٹھینکے پر آری تو بھی ہے

منہ آئینے میں دیکھا بھالا گیا دوپٹہ وہ سر پر سنبھالا گیا

بتائیں تو سرکار ہے بات کیا یہ کیوں ست گیا منہ ہوئی بات کیا

روزمرہ اور محاورے :
جوانم خلا پنج سالہ ہوئی تو آفت وہ رشک غزالہ ہوئی

نظر جس پہ کی جی سے کھویا سے دیا جھکوپانی ڈلوایا سے

آورد کا ذرا گماں نہیں ہوتا۔ انداز بیان کی دلکشی کا یہ عالم ہے کہ صفحے کے صفحے پڑھتے جا یہ کہیں گرانی محسوس نہیں ہوتی۔ مختلف عنوانات کے تحت ”بتخانہ خلیل“ کے ذیل کے اشعار ٹلا حطہ ہوں :

سہل متنع :

گمنا سے بغیر اب گزرتی نہیں جودن کٹ گیا شب گزرتی نہیں
نہ کھانے نہ پینے نہ سونے کے کام اگر بہ تو چھپ چھپ کے رونے کے کام

ادھر تو وہ توتا روانہ ہوا ادھر درد سرکہ بہا نہ ہوا

جُدائی سے صدے سہول کس طرح مسہری پہ تنہا رہوں کس طرح
کشیں کس طرح زندگانی کے دن جوانی کی لائیں مرادوں کے دن

بدن جا بجا سے چرائے ہوئے نمودار چیزیں چھپائے ہوئے

ہر اک سمت یاد دل ہرستا رہا مگر کھیت میرا ترستا رہا

الگ چوڑیاں توڑ کر پھینک دیں ادھر پھینک دیں کچھ ادھر پھینک دیں

عجب حسن پایا ہے اس ماہ نے بنایا ہے آپ اس کو اللہ نے
یہ جی چاہتا ہے کہ دیکھا کرے کرے تو اسی بت کو سیرا کرے

ہوا بھگینے سے بدن اس طرح کوئی پھول شبنم سے تر جسطرح

گزر سکے دل میں بتوں کا نہ تھا جو گھر تھا وہ آذر کا بخانہ تھا

سنا کر گھنے بال پھیلا دیئے جفا کار نے جال پھیلا دیئے

نظر آنکھ میں آرزو دل میں ہے چمن میں ہے گل شمع محفل میں ہے

وہ مانگ اسکی ہے راہ ظلمات کی جسیں چاندنی چودھویں رات کی

قوانی کا فیکارا نہ استعمال :

عجب لوز تھا جسم شفاف پر پھسلتا تھا پانی تن صاف پر

ہر اک کے بدن کا لہو گھٹ گیا دلوں کی طرح بار بار پھٹ گیا

موافق ہمیشہ مقدر رہے ہمارے پہ کھولے ہوئے پر رہے

ہوا شک جہاں بُوے کا کل گئی کر شیشی کوئی عطر کی کھل گئی

قیامت کی اس بحر کی لہر ہے جو قطرہ ہے وہ سانپ کا زہر ہے

یہ کہتے ہیں جتنے ہیں اس دلیں میں پری ہے یہ انسان کے بھیس میں

یہ کیا ہو گیا تجھ کو اک آن میں دیا پھونک تو تے نے کیا کان میں

شب غم کی کچھ انتہا ہی نہیں پلک سے پلک آشنا ہی نہیں

ہوا دن سے راتوں کو رونے لگی سحر آنکھوں آنکھوں میں ہونے لگی

پہرا مجھ سے تو کیا جہاں پھر گیا زمیں پھر گئی آسمان پھر گیا

وہ آتی ہے چھا جوں بستی ہوئی نہ کیوں اب تلک نے پرتی ہوئی

اداؤں پہ گل جان دینے لگے قدم نقتے اٹھ اٹھ کے لینے لگے

ہوا شاق تو تے کا رہنا اے ہوا زہرا سکا یہ کہنا اے

یہ سنکر ہوئی اور مغرور وہ ہوئی نہ حسن سے چور وہ

تشبیہیں اور استعارے :

ہوا سے محسوس شاخیں جھکی اس طرح جھکائے دلہن ہوں نظر جس طرح

مراحمی سے ساغر جدا ہو گیا چمن سے گل تر جدا ہو گیا

اکیلی بھری انجن میں رہی پریشاں ہمیشہ چمن پر

بتخانہ خلیل میں زبان و بیان کی خامیوں کی تلاش بے سود ہے۔ ہمیں
 بھی تو خال خال مثلاً چند ایک مقامات پر ابطائے سخن کا نقص نظر آتا ہے۔
 جیسے کمر بال سی، سینہ نکلا ہوا جوانی کے دن حُسن اُبلا ہوا

نظر سے ہے جی پر بنی اور بھی — بھری آسمیں ہے موہنی اور بھی

ادا سی برسنے لگی شہر میں — بسی آسے افسردگی شہر میں

کہا اُس نے بیشک ہے اچھی تو ہو — رسیلی بھی ہو بانکی تر چھی تو ہو

صاف سمجھری ٹٹوی میں ذیل کے الفاظ کا استعمال سماعت پر گراں گزرتا ہے۔

شرارت وہ اف شاطرہ کی غضب — وہ چھپ تختیاں کا فرد کی غضب

کڑھا انکی فرقت پہ درویش بھی — ہوا مضرب وہ صفائش بھی

قیامت کا سونا حسینوں کا ہے — ستم اینڈ نا ناز نینوں کا ہے

وہ گٹھ بندھن الکاحزہ کے گیا — یہ وقت اور لوگوں کا دل لے گیا

سڑن سی وہ بیچاریاں ہو گئیں — غم ورنج سے نیم جاں ہو گئیں

صراحی ملے آج وہ لوزر کی بنی جس پہ ہو بیل انگور کی

چمکتی ہوئی سیم سے بھی سوا دلاوینز تسیم سے بھی سوا

کھڑی تھی کوئی بال کھولے ہوئے رنگا ہوں کی شمشیر تو لے ہوئے

ناز کنخیا لیاں =

فلک حسن پر اپنے مغرور ہے ہوتا رہے خال رخ حو ہے

بیاں کیا کروں رنگ کارو پک گماں تن کے سائے پہ تھا دھوپ کا

جوانی پڑا اور جھیکا بدن چھپا سار لویں میں دان کا بدن
لیٹ کر وہ جلد بدن ہو گئیں برہنہ وہ سب سیم تن ہو گئیں
نکوتی بوند ساکن اگر ہو گئی تو عکس بدن سے گہر ہو گئی

مقابل اگر اسکے یہ باغ ہو تو لالہ سا ہر پھول میں داغ ہو

انگ اس سے کیوں ہا اتنا ہوا نہ کیوں اسکے انگیا کی چڑیا ہوا

جگر خشک ہوتے تھے لب طرح سیہ نام دن بھی تھا شب کی طرح
جو فنجہ تھا شک اس پہ تھا خار کا جو پتا تھا چہرہ تھا بیتا کا
تپش سے تھے چھائے جگر میں پڑے پھپھو لے تھے پائے نظر میں پڑے

جو مضمون ہو سادہ ہو مالی نہ ہو مزے سے کوئی شعر خالی نہ ہو
 صفائی سے خوش، اہل انصاف ہوں اشائے کناہیے بہت صاف ہوں
 دکھائے مزے یہ روانی مری فسانہ ہو ہر سو کہانی مری

نہ رہ جائے قصہ ادھورا سرا

الہی یہ ارماں ہو پورا سرا

ارمانِ خلیل اس حد تک تو پورا ہوا کہ آنکھوں نے ثنوی کی تکمیل کی اور ان
 کے حسین حیات اس کی اشاعت بھی عمل میں آئی لیکن ان کا یہ ارمان ہر نہ آیا کہ

فسانہ ہو ہر سو کہانی مری

بات دراصل یہ ہے کہ یہ ثنوی طبع تو کاںپور میں ہوئی لیکن ایک ایسے مقام
 ریاست بلرام پور (گوندہ) سے شائع ہوئی جو اردو کا کوئی ادبی مرکز نہ تھا
 اس میں جناب خلیل کی گوشہ نشینی کو بھی دخل ہے کہ وہ بلرام پور کی ریاست کے
 دربار سے منسلک ہوئے تو پھر وہاں سے باہر نہ نکلے اور وہیں وفات پائی۔
 نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ثنوی نہ تو ادبی دنیا کی نظر میں آئی اور نہ اسے قبول عام ملا۔

ڈاکٹر سید محمد عقیل اس ثنوی کے بارے میں لکھتے ہیں :

”بیچہ نگاریں (تجائزِ خلیل) اردو کی ان سوسنائیں حد تک

بھولی ہوئی ثنویوں میں سے ایک ہے۔ مصنف کے نام

سے متاثر ہونے والوں نے اس شاعر کے خونِ جگر کی یہ

قدر کی کہ آج اس کام کو بھی کوئی نہیں جانتا، لے

اگر یہ سمجھا جائے کہ ثنوی نگاری کی قدر و قیمت کا اندازہ اس کے تسلسل
 بیان الفاظ کی بندش، مصرعوں کی روانی، الفاظ کی دلکشی اور قوتِ اظہار سے

وہ جچی بھوی تیغ سے کم نہیں انھیں اپنے مشغول کا غم نہیں

ثنوی کے خاتمہ کا بیان سوز و گداز میں ڈوبا ہوا ہے۔ ہر اک شعر درد و غم کا مرتع ہے یہ کلام کس بڑا درد انگیز ہے۔

صراحی سے ساغر حُدا ہو گیا	چمن سے گلی تر حُدا ہو گیا
وہ اس کی حسین رانیاں چھپ گئیں	وہ کلفام گل پیمن لٹ گئیں
نہ جینا مگر بھر خوش آیا انھیں	وہ گھل گھل کے مرنا نہ بھایا انھیں
وہ جی تھونے کو مستعد ہو گئیں	ستی ہونے کو مستعد ہو گئیں
عزیزوں نے ہر چیز روکا انہیں	دیا ساتھ سب نے دلا سا انھیں
مگر باز آئیں نہ رہا ردہ	ہوئیں حب دستور تیار ردہ
اسے لیکے دونوں ستی ہو گئیں	وہ پیاری حسین موتیں کھو گئیں

نہ صاحب را اور رانی رہی

نقط ایک ان کی کہانی رہی

آغاز داستان میں خلیل حسن خلیل نے اپنی ثنوی کے اسلوب اور طرز نگا کے تعلق سے جس تمنا کا اظہار کیا ہے اسے حرف بہ حرف پورا کر کے دکھایا ہے۔ یہ اشعار خلاصہ میں اس ثنوی نگکاری کے منصوبہ کا جو انھوں نے تیار کیا تھا۔

اگ ہی راسب سے انداز ہو	جو مصرع ہو افسول ہوا عجاہو
کبھی رنگ کوئی نہ پائے مرا	مژہ روزمرہ دکھائے مرا
حدا ہو نہ اکدم اثر لفظ سے	پیکتا رہے رنگ بہ لفظ سے
سب الفاظ سانچے میں ڈھلتے ہیں	اچھوتے مضامین کھلتے رہیں
وہ بندش ہو چھوٹے بڑے دم بڑے	بہم لوگ جس طرح بانہی کریں

کتابت

- امیر احمد علوی ملک محمد جاسی کی پیدائش ۱۹۶۱ء
 اردو کی شنوین نگار اصناف نمبر ۱۹۶۴ء
 پرکاش موئس (ڈاکٹر) - پیدائش - ہماری زبان اپریل ۱۹۶۲ء
 جاسی - پیدائش - (فارسی رسم خط) - لوزکھور لکھنؤ
 پیدائش - (ہندی رسم خط) - ۱۹۶۲ء
 حبیب احمد صدیقی - اردو کی شریک شوی نگار ۱۹۶۲ء
 دلدار حسین - اردو پیدائش آجکل - مارچ ۱۹۶۱ء
 را محمد رشکلا - جاسی گرنفقارلی
 سید ملک مصطفیٰ ملک محمد جاسی ۱۹۶۱ء
 سید محمد عقیل ڈاکٹر اردو شنوی کا ارتقا ۱۹۶۵ء
 شیخ احمد علی پیدائش (خط فارسی) ۱۸۶۱ء
 عبرت و عشرت شمع و پروانہ ۱۸۶۱ء
 فرمان فتحپوری اردو کی مظلوم داستانیں ۱۹۶۱ء
 قاسم علی بریلوی - پیدائش - ۱۸۶۱ء
 گیان چند جین (پروفیسر) - پیدائش - اردو نظم میں رسالہ اردو ۱۹۵۱ء
 میر حسن دہلوی - سحر البیان
 نسیم - گلزار نسیم
 نصیر الدین ہاشمی یورپ میں دینی مخطوطات

لگا یا جاتا ہے تو بخانہ خلیل اس کسوٹی پر پوری طرح اترتی ہے۔
 یہ بات میرے لیے باعث تسکین ہے کہ اس بھولی ہوئی مثنوی کو
 سیر حاصل تبصرہ کے ساتھ منظر عام پر لا رہا ہوں۔ اب یہ کام مثنوی کے ارتقا
 کا جائزہ لینے والوں کا ہے کہ وہ اس کی قدر و قیمت کا تعین کریں۔

ہوالمستعنا

پہلی نشوئی

بتخانہ خلیل

نتیجہ فکر

جناب حافظ خلیل حسن صاحب المتخلص بہ خلیل

در مطبع مفید عام آگرہ باہتمام محمد قادر علیخان صوفی طبع شد

۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۳ء

قطب تارخ

طبع ثانی ثنوی بتخانہ خلیل ترجمہ پتادجانی

دیکھنا اے دیدہ در شائع ہوئی
ثنوی پر اثر شائع ہوئی

سیکڑوں دشواریاں اس راہ میں
پیش تو آئیں مگر شائع ہوئی

یہ علی احمد جلیلی کا ہے ذوق
پھر بشکل معتبر شائع ہوئی

دیدہ بنیاد سے اس کو دیکھتے
حاصل اہل نظر شائع ہوئی

متقی سال اک برآمد یہ ہوا
ثنوی بار دیگر شائع ہوئی

۱۴۱۲ھ

ڈاکٹر سید عباس متقی

حَدِّثْ

جو چاہا ہاتھوں حَمد اٹھا کر قلم
سمائی یہ دہشت جگر پھٹ گیا
تس اس کی کوئی کرے کیا مجال
یہ تعریف ہے اختیاری کہتاں
یہاں پاؤں امکان کا لنگ ہے
طرا زندہ جزو و کل ہے وہی
اسی نے حسیں کو صورت یہ دی
اسی نے یہ عاشق کو پیدا کیا
وہی اک ہر آئینہ خستہ میں ہے
جھمٹے ہے رنگ اپنا ہر سو وہی
کہیں ہے فروغِ سویدائے دل
کہیں رنگِ فریادِ بلبَل ہوا
غرض تیری یارب عجب ذات ہے
لیکا نہ ہے بیسارے دانا ہے تو
گزر دل میں آنکھوں پہر ہے ترا

گمراہاتھ سے تھر تھرا کر قلم
اٹھائی وہ خفت کہ کٹ کٹ گیا
کوئی حَمد کا دم بھرے کیا مجال
کہاں آدمی حَمد باری کہاں
فرشتوں کا بھی حوصلہ تنگ ہے
نگار مذہ خستہ و کل ہے وہی
صباحت یہ دی اور نراکت یہ دی
اور ان کو حسیں پہ شدید کیا
اسی تجلی رستہ میں ہے
وہی رنگ پھولوں کا ہے بو وہی
کہیں حسرتِ دل تھمٹائے دل
کہیں غنا زہ چہرہ گل ہوا
انوکھی ہے جتنی تری بات ہے
زبردست ہے تو توانا ہے تو
رگ جاں سے نزدیک گھر ہے ترا

ہمیشہ سے بخشش تری عام ہے
خبر سب کی لینا ترا کام ہے

مناجات

جو رکھے شب و روز بسہل مجھے
 ہمیشہ شگفتہ رہے باغِ دل
 جگر میں تاسف رہے غم رہے
 رہے جب تلک دم بھر دل دم ترا
 مجھے سرائخانے نہ دے بارِ عشق
 مری بے پری پر لگائے مرے
 طبیعت میں ہر دم نیا جوش ہو
 کوئی شہنوی عسا شقانہ لکھوں
 لکھوں بدنی حور سپکر کا حال
 مرا خاص کوئی یہ حصہ نہیں
 وہ بھاسے میں اس کو عیاں کر چکا
 تو اردو میں عبرت اسے کہہ گیا
 بھرا ہے مرے سر میں سودا ہی
 کہ ہو ہم فنون میں نہ محبت تجھے
 زباں آب کوثر سے دھو دے مری
 جو مصرع ہوا فسوں ہوا غیباز ہو
 مرہ روز مرہ دکھائے مرا

الہی وہ بیتاب دے دل مجھے
 نہ سرہم سے افسردہ ہوں داغِ دل
 محبت مرے دم کی بہم دے
 نہ دل سے مرے عشق ہو کم ترا
 رہوں زیرِ دامن کبھارِ عشق!
 تو حشر مرا ہوش اڑائے مرے
 نہ کم زندگی بھر مرا جوش ہو
 اسی جوش میں اک فسانہ لکھوں
 لکھوں کچھ رتن سینِ مضر کا حال
 نیا گرچہ کوئی یہ قصہ نہیں
 ملک یہ فسانہ بیاں کر چکا
 جو کچھ بچ گیا اس سے اور رہ گیا
 مگر ہے مری بھی تمنا یہی
 تو یارب وہ دے تو طلاق تجھے
 رکاوٹِ طبیعت کی کھودے مری
 الگ ہی مرا تب سے انداز ہو
 کبھی اگر نگ کوئی نہ پائے مرا

نعت

پلا سا قیا جام کوئی مجھے کہ در پیش ہے نعت گوئی مجھے
 منے نعت سے مجھ کو غمخور کہ مجھے خوب نشے سے تو چور کہ
 وہ دل میں ہو جوشِ ولایتِ نبیؐ ہنوں می فروشِ شائے نبیؐ
 نبیؐ کون یعنی حبیبِ خدا ہمارے حضور احمدؐ صفا
 نسیمِ دلاویز گلزارِ دیں خدا دندایانِ دسِ واردیں
 ندائے خدا جاں نثارِ خدا این خدا را ز دارِ خدا
 کوئی ان سے رتبے میں بہتر نہیں کسی کو یہ غرتِ عیب نہیں
 نہ تھے جس سے واقف بتایا ہمیں جو رستا تھا سیدھا دکھایا ہمیں
 ہماری شفاعت کے ضامن ہوئے بنے سب کے شافعِ معاون ہوئے
 ہدایت ہمیں کی اور شفقت بھی کی غم و رنج میں سب کے بہرکت بھی کی

خبر سب کی ہر وقت لیتے رہے
 گرے وقت میں مانتے دیتے رہے

یہی حال ہے شان و اجلال کا
عدالت سے آٹھوں پہ کام ہے
کوئی عدل سے بات باہر نہیں
بڑا نام پایا ہے اخلاق میں
ترحم کی یکساں نظر سب پہ ہے
غرض رحم سے مہربانی سے کام
بڑا سب سے حصہ میں آیا ہے دل
غریبوں فقیروں کا گھر ہے دیا
ملازم بھی راضی رعایا بھی ہے
انھیں شاد رکھے خدا سے کریم
کرے رحمت خضر کی عمر انھیں

بستارہ چمکتا ہے اقبال کا
بھرا رحم و شفقت سے پر کام ہے
صعوبت اذیت کسی پر نہیں
بہت ہیں وہ مشہور آفاق میں
تلطف کا پورا اثر سب پہ ہے
ہنر پروری قدر دانی سے کام
سخاوت میں حاتم کا پایا ہے دل
جو قطرہ تھا دریا اسے کر دیا
خوش اپنا بھی ہے اور پرایا بھی ہے
رہے چشم بد سے بچا سے کریم
ملے اس جہاں میں بڑی عمر انھیں

سوائق ہمیشہ مستدر ہے

ہما سر پہ کھولے ہوئے پر ہے

آغاز داستان

مئے ناب سے جام بھر ساقیا
بہت تو نے وعدوں پہ ٹالا مجھے
کردن جس میں دل سے اطاعت تری
بنا تو بھی پورا شرابی مجھے
یہ غم جس سے میرا فراموش ہو
فسانہ جو بھاکے کا مشہور ہے
کہ مہتا ایک راجہ سراندپ میں
امارت ریاست لیاقت میں فرد

مجھے بھی مُرید آج کر ساقیا
پلا آج اپنا پیالا مجھے
ملی ہے نصیبوں سے خدمت تری
چھلکتی ہوئی دے گلابی مجھے
طبیعت بڑھے دل کو اک جوش ہو
یہ حال اس میں اس طرح مذکور ہے
نیرالا تھا اخلاق و تہذیب میں
جو سب سے میں یکساں تو صورت میں فرد

جُدا ہونہ اک دم اثر لفظ سے ٹپکتا رہے رنگ ہر لفظ سے
 سب الفاظ سانچے میں ڈھلتے رہیں اچھوتے مضا میں نکلتے رہیں
 وہ بندش ہو چھوٹے بڑے دم بھریں بہم جس طرح لوگ باتیں کریں
 جو مضمون ہو سادہ ہو عالی نہ ہو مزے سے کوئی شعر خالی نہ ہو
 صفائی سے خوش اہل انصاف ہوں اشائے کنا سے بہت صاف ہوں
 دکھائے مزے خوش بیانی مری فسانہ ہو ہر سو کہانی مری
 نہ رہ جائے قصہ ادھورا مرا الہی یہ ارماں ہو پورا مرا

مدح عالی جناب معالی القاب خداوند نعمت جناب سر
 مہاراجہ بھگوتی پرساد سنگھ صاحب بہادر والی ریاست
 بلرام پور دام اقبالہم وحشمیتہم

وہ مے ساتی یار جانی پلا وہ حجام مئے ارغوانی پلا
 کہ بڑھ جائے ہاتھوں طبعیت مری بھل جائے سب دل کی حسرت مری
 کروں مدح میں اپنے آقا کی کچھ سائنس کروں قدر نرمائی کچھ
 وہ نوخیز شمشاد باغ مراد وہ ہر دل کے گھر کے چہرا غمراد
 وہ سرمایۂ افتخار اودھ وہ رونق فزائے دیار اودھ
 وہ سردار و سرتاج بلرام پور جناب ہمارا ج بلرام پور
 جہاں نام سے ان کے آباد ہے ملا بھگوتی اور پرشاد ہے
 خدائے وہ تو قیر دی ہے انھیں وہ قسمت وہ تقدیر دی ہے انھیں
 کہ آج ان کے کوئی برا نہیں کوئی ان کا ثانی و ہمسر نہیں
 ذہانت ہے رخ سے عیاں اس طرح عیاں جو ہر آئینہ سے جس طرح

فقیروں کو اس دن دلایا بہت
 گدا دامن و جیب بھر لے گئے
 لگے کہنے پداوت اس بہت کوب
 ہوئے باپ مال اس پہ جی سے نار
 بڑے ناز و نعمت سے پالا اُسے
 جو نام خدا پنج سال ہوئی
 گئے جتنے بھونرے تھے گل پھول
 اسی پھول کے آگے پھرنے لگے
 خجالات سے سب پھول مرجھا گئے
 بہت تر بیت دل سے اس کی ہوئی
 خواہیں بھی تھیں اس کی سب شیار
 پسند اس نے کو ٹھے پہ رہنا کیا
 وہ تو تاک اچھا تھی پالے ہوئے
 زبان پر تھی اس کے کہانی نئی
 فدا اس پہ وہ غیرت ماہ تھی
 کہیں وہ بغیر اس کے جاتی نہ تھی
 وہ تو تاجی اس حور پر لوٹ تھا
 پھنسائے تھے گیسوئے اس کو بھی جال
 قرار اس کو بے اسکے آتا نہ تھا
 نہ کھاتا تھا وہ اور نہ پیتا تھا وہ
 یہی اس کی الفت میں ہر روز حال
 الگ اس سے کیوں ہائے اتنا ہوا
 ہرے پر تو کم بخت میرے ہوئے

زرد و لعل و گوہر کٹایا بہت
 دُعا دے گئے لعل و زر لے گئے
 لگی روز شب بٹھنے وہ غچ لب
 لگے شکر ادا کرنے وہ بار بار
 محل سے نہ باہر نکالا اُسے
 تو آفت وہ رشک غزالہ ہوئی
 یہ سمجھے کہ کوئی کنول کا ہے پھول
 اسی شمع پر آگے گرنا لگے
 فلک پر مہ و مہر شرما گئے
 بڑی اس کی تعلیم اچھی ہوئی
 بہت خوش تمیز اور ذہانت شعار
 دہن کی طرح اس کا کمرو سجا
 زمانہ تھا وہ دیکھے بھالے ہوئے
 وہ کرتا سدا گلشنانی نئی
 بڑی قدر اس کی بڑی چاہ تھی
 قفس سامنے سے ہٹاتی نہ تھی
 اداؤں کی کھائے ہوئے چوٹ تھا
 نظر کر گئی تھی اُسے بھی حلال
 وہ ہستی تو کچھ اس کو بھاتا نہ تھا
 اسی حور کو دیکھ جیتا تھا وہ
 یہی رات دن اسکے دل میں خیال
 نہ کیوں اس کی انگیا کی چٹیا ہوا
 نہ فیروزے خاتم کے اسکے ہوئے

خزانہ بڑا گنج تاروں سے بھی
 سمندر تھا آپ اور دریا تھا دل
 بڑا شوق دینے والا نہ تھا
 لٹانے سے ہاتھوں کو فرصت نہ تھی
 ہمیشہ کو اس کو غنی کر دیا
 جفا تھی کسی پر نہ کچھ جور تھا
 اسے گندھرب سین کہتے تھے سب
 جہاں دیدہ تھا خبر بہ کار تھا
 لٹکا ہوں میں اس کی یہ سب خاک تھا
 کلیجے پہ تھا داغِ اولاد کا
 کوئی اس کے گھر کا احباب نہ تھا
 تڑپتا تھا نورِ نظر کے لیے
 اب آنکھوں کو میری بھارت لیے
 تڑپ دل کی دل کی دوا ہو گئی
 محل میں ہوئی شادمانی بڑی
 کہ لائے گھڑی جلد وہ کردگار
 اور اس روز کی ہنسی آئی سحر
 صبح جہاں، نازنین جہاں
 پری شیفۃ، حور شیدا ہوئی
 سراپا وہ تصویر تھی نور کی
 جو اعضا تھے سانچے میں ڈھائے ہوئے
 سوا حد سے دل شاد اس کا ہوا
 خوشی اس کو ٹٹے سے بڑھ کر ہوئی

سوانا سورجم فریدوں سے بھی
 اور اس سے بڑا اس نے پایا تھا دل
 سخاوت میں حاتم زمانے کا تھا
 خزانے سے اتنی محبت نہ تھی
 دیا جس کو خوب اس کا جی بھر دیا
 غرض وہ بڑے لطف کا دور تھا
 شب و روز راحت رہتے تھے سب
 ذہین و خردمند ہر شیار تھا
 مگر غم سے راجہ کا دل چاک تھا
 وہ شاکی تھا قسمت کی بیلاد کا
 کوئی نام رکھ لینے والا نہ تھا
 یہ صدمہ تھا شتر جگر کے لیے
 دُعا حق سے تھی دل کو راحت لیے
 قبول اس کی بارے دُعا ہو گئی
 ہوئی حاملہ اس کی رانی بڑی
 ہوا سب کو اس بات کا انتظار
 غرض سب ہنسنے لگے جب گزر
 تو پیدا ہوئی اک حسین جہاں
 عجب صاحبِ حسن پیدا ہوئی
 مقابل ہو طاقت نہ تھی حور کی
 فحل اس سے سب حسن والے ہوئے
 بہت خوش اُسے پا کے راجا ہوا
 کیا غم نہ اس کا جو دخت ہوئی

کہا اس نے سوچھی ہے یہ کیا تجھے جنوں ہو گیا ہے کہ سودا تجھے
حفاظت تری تو مرے ہاتھ ہے نہ ڈر تو مری جان کے ساتھ ہے
بھلا تجھ کو دے گا اذیت کوئی کہاں سے یہ لائے گا جرات کوئی

پیداوت کا باغ کی سیر کو جانا اور خادکہ کا توتے
کو کوئیں میں ڈال دینا

بہار آئی ساقی نگشتاں میں پھر
معطر ہوا میں پھر آنے لگیں
مگر ہائے تجھ کو خبر کچھ نہیں
اٹھی دیکھ وہ کالی کالی گھٹا
وہ آتی ہے چھا جوں برستی ہوئی
نظر اس طرف کیوں یہ روتی نہیں
اسی وقت تو لطف پینے کا ہے
پلا دے ہیں تو بھی جی بھر کے آج
صراحی بے آج وہ نور کی
کردوں سیر نشے میں گلزار کی
وہ اس گلی کے ہمراہ، بھجولیاں
لگیں کرنے اک دن ثنائے چمن
سنا ہے کہ پھولی ہے جوی بہت
نیکھاروں پہ ہیں شاہان چمن
جدا سب سے ہے نستران کی بہار
اثر یوں ہے پھولوں کی بوباس میں

بھرے پھول گلچیں نے داماں میں پھر
ہلک پھر وہ پھولوں کی لانے لگیں
مری اس تڑپ پر نظر کچھ نہیں
کلیجے پہ وہ چھانے والی گھٹا
نہ کیوں اب تک ہے پرستی ہوئی
پری ہے تو کیوں بوتلی اڑتی نہیں
نہیں تو مزہ کون جینے کا ہے
چلیں دور پر دور ساغر کے آج
بنی جس پہ ہو بیل انگور کی
نکالوں ستار دل زار کی
وہ ہر دم کی دمساز شیریں زباں
کہ ہے حد سے دکش فضا ئے چمن
کھلی ہر طرف ہے چنبلی بہت
جو گل ہے چمن میں ہے جان چمن
نئی ہے گلاب و سمن کی بہار
رچی عطر کی بو ہے ہر گھاس میں

کوئی پر ہوا لال تو کیا ہوا
 اسی طرح اک روز گھبرا کے وہ
 کہ بے تیرے آرام مجھ کو نہیں
 سہم کر گئے ہیں کرشمے ترے
 یہی چاہتی ہے محبت تری
 کہیں چھوڑ کر مجھ کو حبابا نہ کر
 یہ کلمے محبت کے اظہار کے
 جگہ جگہ کے رانی سے اس کا کیا
 ہوتی سُنکے توتے سے رانی اُداس
 کہ بیٹی یہ تو تا تو اچھا نہیں
 اسے اپنی صحبت سے کر دو جدا
 سنا یہ تو اس کے نکل آنے اشک
 گئی وہ سمجھ کچھ کسی نے کہا
 کہا اس نے تو تا یہ انساں نہیں
 نہیں حال معلوم یاں تک اُسے
 اسے میرے گالوں پہ شک گل کا ہے
 گماں ہے کہ غنچہ دہن ہے ہرا
 بُرا ہائے اس کو بتاتا ہے کون
 مرا تو یہی ایک غمخوار ہے
 یہ سنکر وہ سب اسکا شک مٹ گیا
 مگر دل میں تو تا ہر سال ہوا
 کہا اس سے اب یاں ہے طبعان کا
 مرا غم نہ اب اے پری زاد کر

نہ یا قوت تو تو نکلے کا ہوا
 یہ کہتا تھا تنہا اُسے پا کے وہ
 مرا حال معلوم تجھ کو نہیں
 گئے ہیں اُتر دل میں غشوں ترے
 کہ دیکھا کروں بیٹھے صورت تری
 بہت دیر تک منہ چھپا یا نہ کر
 پڑے کان میں اک پرستار کے
 ڈھٹائی کا شوخی کا شکوا کیا
 لگی کہنے اس بُت کو بلوا کے پاس
 پسند اس کا ہم کو تو لہجہ نہیں
 منگا لو کوئی اور دم دوسرا
 کچھ آنکھوں سے گالوں پہ دھل اشک
 حسد سے کہا دشمنی سے کہا
 زیادہ کوئی اس سے ناداں نہیں
 مرے لب پہ پستے کا ہے شک سے
 گماں زلف پر خم پہ سنبھل کا ہے
 کوئی سبب تازہ ذوق ہے مرا
 اسے مجھ سے ناحق چھڑتا ہے کون
 مرا ہر گھڑی یہ مددگار ہے
 وہ چپ ہو گئی پھر نہ اس سے کہا
 وہ اس گفتگو سے پریشان ہوا
 خطر جان کا ہے خبر جان کا
 مجھے چھوڑ دے غم سے آزاد کر

سحر کی سپیدی مٹا یاں ہوئی
 چراغ اس طرف جھلکانے لگے
 خراماں خراماں وہ پھر آسلی
 کھلیں ساری کلیاں منکے لگیں
 سہانی صدائیں سنائے لگیں
 چمکنے لگا آفتاب سحر
 اٹھی بستر ناز سے شاد شاد
 وہ پھراک جبکہ جمع باہم ہوئیں
 کوئی نہتہ میں موتی پردے لگی
 کوئی عطر کپڑوں میں ملنے لگی
 لگی چنے اپنا دوپٹا کوئی
 نہ ان کلرخوں میں کسی نے کیا
 جفا پر جفا اور ستم پر ستم
 دہن ہی وہ گل پیر بن گئی
 چلے لیکے اس برقی شمال کو
 سب اس کے خواہوں کو لیکر چلیں
 پہنچ کر در باغ ہی پر رکیں
 بڑی شان و شوکت کشتے کے ساتھ
 بڑھی پیشوائی کو بولے چن
 قدم فتنے اٹھ اٹھ کے لینے لگے
 کمر ہر قدم پر چمکتی چلی
 وہ گویا شہر اچھلکتا چلا
 بتم ڈھار ہی ہے پراتے کا گوٹ

سیاہی رنگا بوں سے پہاں ہوئی
 شات ادھر منہ چھپانے لگے
 نسیم سحر ناز دکھلا چلی
 درختوں کی شاخیں لچکنے لگیں
 بسیروں میں چڑیاں بھی گانے لگیں
 ہٹی بائے رخ سے نقاب سحر
 بہت ہی ہوئی وہ پری زار و شاد
 وہ سمجھ لیاں سب فراہم ہوئیں
 کوئی اپنا منہ ہاتھ دھونے لگی
 کوئی اپنا جوترا بدلنے لگی
 جانے لگی لب پہ لاکھا کوئی
 مگر قہر جو پد منی نے کیا
 کیا اس نے اس دن نکھر کر ستم
 پری ہی وہ نازک بدن بن گئی
 اٹھایا کہساروں نے سکھپالی کو
 رتھیں بھلیں بھی سب برابر چلیں
 کہیں اب نہ وہ گھر سے چل کر رکیں
 وہ گلپوش اتڑی جھمکے کیساتھ
 چلی اس ادا سے وہ سسے چن
 اداؤں پہ گل جان دینے لگے
 ٹھہرتی ٹھہرتی چمکتی چلی
 دوپٹے کا آنچیل لٹکتا چلا
 وہ دھانی دوپٹہ وہ لچکے کا گوٹ

تصدق ہیں نہ گس پہ سون پہ سب
 وہ ہے فخر ہر ایک گلزار کا
 کھلے ہیں گلاب و سن ہر جگہ
 رہے گا ترستا ہی گلزار کیا
 کہا اکل کھول گی میں سیر چمن
 بہت بیقرار اور مضطرب گئی
 تو کل سیر گلزار کو حسابوں میں
 شام پھر تھہر چلی آؤں گی
 چلیں کب چمن کو کہ لو کا تمہیں
 کرو تم خیاباں خیاباں کی سیر
 کہ بائے اجازت ہیں میں گئی
 لگیں اب وہ سب کرنے تیار ماں
 ضرورت کی چیزیں نکالی گئیں
 مگر رات ہوا اب بکس طرح
 شب ہجر سے بھی سوا ہو گئی
 سیاہی وہ آگے سے ہستی نہ تھی
 کہ گزرے یہ شب اور آئے سحر
 اب اٹھ اٹھ کے نکلتی تھیں روئے فلک
 کھلی رہ گئی جیسے اختر کی آنکھ
 یہ ان کے لب لعل پر بار بار
 ابھی تک اٹھا نہ پتی کیوں نہیں
 نہیں آج بچتا مجھ کس لیے
 لگا پھلتے بڑھ کے نور سحر

وہ دن ہیں کہ ہیں لوٹ گلشن پیب
 خصوصاً جو ہے باغ سرکار کا
 گول سے بھرا ہے چمن ہر جگہ
 کریں گی نہ سیر اب کے سرکار کیا
 ہوئی سکے مشتاق وہ گلستان
 معاً پاس ماں کے وہ اٹھ کر گئی
 کہاں محکم اگر آپ کا پاؤں میں
 ذرا دل کو پھولوں سے بہلاؤں گی
 کہا ماں نے کب میں نے روکا تمہیں
 مبارک تمہیں ہو گلستاں کی سیر
 یہ سنکر وہ غنچہ دہن کھل گئی
 ہوئی اس کی ہجولیاں شاد ماں
 رخصتیں بہیں سب دیکھی بھالی گئیں
 وہ دن تو کٹا کٹ سکا جس طرح
 وہ رات ان کو کالی بلا ہو گئی
 سکتی نہ تھی کاٹے کٹی نہ تھی
 لگیں مانگنے سب دُعائے سحر
 لگا ہیں جمیں سب کی سوئے فلک
 نہ بھپکی کسی ماہ پیکر کی آنکھ
 سو شرق سب کی نظر بار بار
 ایسی یہ نوبت بھی کیوں نہیں
 پڑے چپ ہیں مرغ سحر کے لیے
 ہوا بارے کچھ کچھ ظہور سحر

دلوں میں ہانے کی لہر آگئی
 ہوئی جا کے جلوہ کناں نہر میں
 کوئی بڑھ کے غوطے لگانے لگی
 سکھانے لگی بال دھو کر کوئی
 ادھر ڈال دیں کچھ ادھر ڈال دیں
 چنبیلی کا تیل اس سے شرمایا گیا
 تو بجلی چمکتی تھی ہر لہر میں
 اٹھا بلبلا جو ستارا ہوا
 چھپا ساروں میں نہ انکا بدن
 برہنہ و سب سیم تن ہو گئیں
 سنبھالے سے جو بن سنبھلتا نہ تھا
 جو بھیگی تو وہ اڑ چلی اور بھی
 بھسکتا تھا پانی تن صاف پر
 تو عکس بدن سے گہر ہو گئی
 کوئی پھول شبنم سے تیز جس طرح
 کسی پھول کے ساتھ تلے نہ تھی
 کہ مہتاب گویا ستاروں میں تھی
 وہاں جان تو تے کی آفت میں تھی
 کنیزوں میں وہ سبکی سردار تھی
 ضرورت سے ہمراہ آئی نہ تھی
 محبت تھی یا ہم بڑھائے ہوئے
 کہ موقع یہ ملنے کا اچھا بلا
 تکلف سے بننے سنورنے لگی

ہوا بھاگئی، وہ فضا بھاگئی
 پہن کر گریں ساڑیاں نہر میں
 کوئی تو کنارے ہانے لگی
 کنارے کوئی اس کے اندر کوئی
 جھٹک کر لٹیں دوش پر ڈال دیں
 یہ پانی میں ان کا اثر آگیا!
 جو اتنی تھیں وہ شعلہ رو نہر میں
 منور وہ آب اس کا سارا ہوا
 جو پانی پڑا اور بھیسکا بدن
 لیٹ کر وہ جلوہ بدن ہو گئیں
 کسی کا وہاں زور چلتا نہ تھا
 پری بن گئی پد منی اور بھی
 عجب نور تھا جسم شفاف پر
 کوئی بوند ساکن اگر ہو گئی
 ہوا بھیسگنے سے بدن اس طرح
 کسی سے وہ نگل ملتی جلتی نہ تھی
 وہ اس طرح ان تکلف دار نہیں تھی
 یہاں تو اس عیش و عشرت میں تھی
 کوئی پد منی کی پرستار تھی
 اُسے پد منی ساتھ لائی نہ تھی
 کسی سے تھی وہ دل لگائے ہوئے
 یہ موقع جو پایا دل اس کا کھلا
 وہ ملنے کا سامان کرنے لگی

کرشمہ نزاکت حیا ساتھ ساتھ
 گل و غنچہ کی حباں لیتی ہوئی
 جو دل کی ہمت کھتی حاصل ہوئی
 کلی جو کھلی تھی وہ مڑھب گئی
 ندامت سے سمیٹ لجا لو کی طرح
 سلامت کسی کا گریباں نہ تھا
 چمک کر ہوئی جلوہ گر ہر طرف
 نہ چین ان کو دم بھر تھا یکے کی طرح
 کبھی اس طرف تھیں کبھی اس طرف
 تجلی وہ گلشن طور کھتا
 ہستی تھی جو ہی اکیلی کہیں
 کہیں عطر انشاں تھے چمپے کے پھول
 گلوں سے سوا تھی معطر زمیں
 جھکائے دہن ہو نظر جس طرح
 وہ بویاں تھی عقل حیران تھی
 سمن سے جدا یا سمن سے جدا
 بہک سا غریب کی ہر پھول میں
 بہار ایک غنچے میں اک باغ کی
 لگی توڑنے ایک جوئی کا پھول
 بنانے لگی ایک گجرا وہیں
 ہانے کو عمدہ بنیں سیڑھیاں
 دلا دینر تسنیم سے بھی سوا
 نہایت ہی وہ نہر بھائی انھیں

جفا ساتھ شوخی ادا ساتھ ساتھ
 دل باغ کو داغ دیتی ہوئی
 میان نکلتاں وہ داخل ہوئی
 رُخ گل پہ اندر دگی چھپا گئی
 اڑا رنگ ہر گل سے لو کی طرح
 کوئی گل نہ تھا جو پشیاں نہ تھا
 لگیں سیر کرنے وہ ہر ہر طرف
 چمکتی تھیں ہر سو رستائے کی طرح
 گئیں شوخیوں سے نہ وہ کس طرف
 وہ گلزار بھی معدن نور کھتا
 کہیں ارغواں تھا، چنبیلی کہیں
 کہیں تو شگفتہ تھے پیلے کے پھول
 نہ خالی تھی پھولوں سے تل بھر زمیں
 ہوا سے تھیں شاخیں جھکی اس طرح
 مدد بان کی اور ہی شان تھی
 بہک اس کی سارے چین سے جدا
 مئے ناب کا تھا اثر پھول میں
 دوا پھول ہر رخسہ ہر داغ کی
 لگی سو نگھنے اک چنبیلی اس کا پھول
 لگی گوندھنے ہر اک نازنین
 رواں نہراک باغ کے درمیاں
 چمکتی ہوئی سیم سے بھی سوا
 جبکہ وہ بہت ہی خوش آئی انھیں

رہائی عطا کرالم سے مجھے
 وہ بے بس پرندہ جو اس چاہ میں
 تو بیچارہ چوٹ اور بھی کھا گیا
 مگر سخت جال بھی بلا ہی کا تھا
 وہ چوٹ اور تکلیف سب سہہ گیا
 گیا کرتے ہی وہ سنبھل جلد ہی
 لب چاہ اک آم کا تھا درخت
 وہ بیٹھا پھر اڑ کر اسی پیڑ پر
 مگر وہ سن بر جو یا د آگئی
 غم ہجر دل اس کا ملنے لگا
 کیا قصد پھر اس سے جا کر ملوں
 کہوں حال کبخت مردار کا
 مگر پھر یہ سوچا کہ بہتر نہیں
 اڑا وال سے صحرا کو یہ سوچ کر
 مگر پدہنی کے لیے بے قرار
 تڑپتا کبھی سر ٹپکتا کبھی
 لہو روتے روتے جو تر ہو گئے
 شکایت کبھی اس کو گردن سے تھی
 نہ اس پر بھی آرام آیا نظر !

نکال آ کے اس چاہ غم سے مجھے
 گرا عالم حسرت و آہ میں
 کنواں دیکھ کر اور گھبرا گیا
 نشانہ وہ تیر جفا ہی کا تھا
 مرا وہ نہ جیتا ہی پھر رہ گیا
 وہ اس میں سے آیا نکل جلد ہی
 بڑا سایہ دار اور آدنی درخت
 ہوا خوش بہت اس کا جی پیڑ پر
 تو دل پر اک انسر دگی چھپا گئی
 زرا سا کلیجا اچھلنے لگا
 پھر اس سے یہ دم اٹھا کر ملوں
 بد اطوار بد خیال بد کار کا
 جہاں یہ ہوا پھر حلوں میں وہیں
 ملا داں کے ٹوٹوں میں کر کے سفر
 دل زار مضطر جگر یے قرار
 کبھی لوحیت پر پھر کتا کبھی
 زمرہ سے لال اس کے پر ہو گئے
 کبھی اپنے ہی بخت و اثروں سے تھی
 ہوا اک چڑ پیار کا داں گزر

پھنسا اس کے تزدیر کے جال میں
 پڑا اور کبھی اب وہ جھنجھال میں

جو خاص اس حسین کی ضرورت کی تھیں
 مسمیٰ سرمہ ملنے لگانے لگی
 یہاں کا وہ ساراں دہاں لے چلی
 تو پہونچا بہت اس کے دل پر مال
 ذلیل جہاں بے حیا بے تمیز
 تجھے اپنے مالک کا کچھ ڈر نہیں
 تو پھر کیا تر حال مُردار ہو
 ندامت سے جیتے ہی جی مر گئی
 یہ دھڑکا یہ غم دل میں پیدا ہوا
 مرا حال ظاہر نہ کر دے کہیں
 ہوا زہر اس کا یہ کہنا اسے
 لگی بے خطا اس کو وہ مارنے
 کسی چاہ میں جا کے ڈالا اسے
 سُنی خادمہ سے یہ اس نے خبر
 پرندے کو وہ کھا گئی ناگہاں
 بدل الم سے مسرت ہوئی
 ہوا دل پریشاں گیسو کے ساتھ
 بہت اس نے اس کے لیے غم کیا

وہ چیزیں جو کمرے کی زینت کی تھیں
 وہ سب مرن میں اپنے لانے لگی
 اٹھا خاصداں، عطر داں لے چلی
 یہ توتے نے دیکھا قفس سے جو حال
 لگا کہنے خُشاد مہ بے تمیز
 یہ باتیں ترے حق میں بہتر نہیں
 اگر اس سے وہ بُت خبردار ہو
 یہ سُن کر بہت خُشاد مہ ڈر گئی
 اثرِ رخ سے ڈر کا ہویدا ہوا
 کہ یہ پرستیا کو نہ بھر دے کہیں
 ہوا شاق توتے کا رہنا اُسے
 قفس سے لیا کھینچ مُردار نے
 اسی وقت گھر سے نکالا اسے
 وہ گھلپوش جب شام کو آئی گھر
 کہ بلی نے ڈھادی قیامت یہاں
 یہ سُن کر بُری اس کی حالت ہوئی
 بہا سُرمدہ چشم آنسو کے ساتھ
 بہت اس نے توتے کا ماتم کیا

توتے کا کنویں سے نکل کر چڑھ سار کے جال میں پھنسا

غضب سے مری سکے پھر پی گیا
 ابھی سے تجھے اس قدر چڑھ گئی
 کنویں سے کھنکھاتا تھا جھکے گا تو

کدھر آج تو میرے ساتی گیا
 یہ کیوں اتنی غفلت تری بڑھ گئی
 نہ کب تک مجھے پائیگا تو

مگر برہن کو بھی خوش کر دیا زرد سیم سے اس کا گھر بھر دیا
 ہوئی اس کی رانی بھی خوش دیکھ کر وہ رکھنے لگی اس کو پیش نظر
 یہ راجہ تھا حد سے سوا نامور بہادر، جری لڑ جواں داوگر
 عقیل و ذکی خوب صورت حسین نہایت وجہہ اور نہایت حسین
 نہ تھا سترہ سال سے سن سوا ابھی حال میں تھا ہوا تختہ دار
 رتن سین تھا اس کا مشہور نام وجاہت کا تھا اس کے شہرہ تمام
 یوہن اس کی رانی بھی تھی نہ جس طرہ دار نمکیں کم سن حسین
 بڑی باحیا صاحب تمکنت اور اس حور کا نام تھا ناگمت

ناگمت کا نکھر کر اپنی صورت پر فریفتہ ہونا۔ توتے
 سے الجھا۔ رتن سین کا توتے سے پیدائش کا حال سن کر
 عاشق ہونا اور سرانندیپ جانا

نہ تھی پہلے ایسی تو غفلت تجھے ہوئی کب سے ساتی یہ نچوت تجھے
 کسی کو ثواب پوچھا ہی نہیں وہ ساغر نہیں وہ صراحی نہیں
 خدا کے لیے اب خبر لے زرا دوائے قرار جگر دے زرا
 تراناز بیجا یہ بھاتا نہیں مجھے یہ نکبر خوش آتا نہیں
 اٹھا جام و مینا نہ اب دیر کر خدا را مجھے سیر کر سیر کر
 ہوئی ایک دن صبح جب آشکار چلی ناگمت اپنا کرنے شکار
 ہنا کر گھنے بال پھیلا دیئے جفا کار نے جال پھیلا دیئے
 بڑھی سانپ کی طرح لہر کے زلف زمیں پر لگی لوٹنے آ کے زلف
 لٹک کر جو چھل بل وہ دکھلا گئی تو پتی کمر تین بل کھگ گئی
 ہوا شک جہاں لوے کا کل گئی کہ شیشی کوئی عطر کی کھل گئی

چھین لے رہی ہے بلائیں مری
 دیا ہے خدا نے یہ جون کسے
 لئے لیتی ہے جان صورت مری
 یہی اس گھڑی گفتگو دل کی ہے
 رہوں دکھتی اپنا مکھڑا پی میں
 نہیں حسن ایسا تو دیکھا حضور
 یہ صورت تو پر یوں لے پائی نہیں
 یہ عشوہ کہاں اور یہ غمزہ کہاں
 جو اعضا بدن میں ہیں سب لور کے
 ہوئی نشہ حسن سے چور وہ
 وہ تشریف لائی پرندے کے پاس
 اکھاڑے میں پر یوں کے کھیلے ہوئے
 رتن سین سے سرری حبان کی
 مری سی بھی دکھی ہے صورت کہیں
 وہاں جو ہے وہ غیرت محور ہے
 حسینوں سے ہاتھوں کا پالا ہے تو
 مری طرح بھی ناز میں ہے کوئی
 رسیلی بھی ہو بانگی تر بھی ہو
 کہ شوہر کو ہو جس سے اُفت بہت
 زیادہ نہ اس بت کی توصیف کی
 طبیعت کو اس کے نہ تسکین ہوئی
 مرے حُسن کی داد تو نے نہ دی
 برابر مرے ناز میں ہو گا کیا

سیم ڈھار ہی ہیں ادائیں مری
 رہا ہے جہاں میں یہ چتون کسے
 نہیں ٹھیک اس وقت حالت مری
 کہوں تم سے کیا آرزو دل کی ہے
 کہ منہ جو مولوں اپنا ہی میں
 لگیں کہنے وہ بھی کہیں کیا حضور
 نظر ایسی صورت تو آتی نہیں
 یہ حوروں میں ناز و کرشمہ کہاں
 دہن لور کے دونوں لب لور کے
 یہ سن کر ہوئی اور مغرور وہ
 وہاں سے چلی آئی تو تے کے پاس
 کہا اے زمانے کو چھیلے ہوئے
 قسم ہے تجھے اپنے ایمان کا
 نظر آئی ہے یہ ملاحت کہیں
 سرانید کا حسن مشہور ہے
 اسی دیں کار بنے والا ہے تو
 بنا وال بھی ایسی حسین ہے کوئی
 کہا اس نے شک کیا ہے اچھی بھی ہو
 وہی سب میں ہے خوب صورت بہت
 جو معمولی تو تے نے تعریف کی
 تو کچھ خوش نہ وہ شوخ خود میں ہوئی
 کہا تو نے تعریف تو تے نے کی
 سوا مجھ سے کوئی سیں ہو گا کیا

بہت شوخ ہاتھوں میں مہندی ملی
 ستم اس پہ لاکھا جسا کر کیا
 لگایا جو کا جل ستم ڈھا دیا
 سیاہی کی کوشش میں پہرہ رہی
 کیا اُس نے آخر وہ جوڑا پسند
 دو پٹے کو کچھ سرے سر کا دیا
 ملا عطر ایسا مکان بس گیا
 بہت شوخ اور چلبلی ہر ادا
 کمر بال سی، سینہ نکلا ہوا
 کمر ناز کی سے لچکتی ہوئی
 اُٹھایا لگا ہوں کا بھالا کبھی
 اسی طرح بن کھٹن کے وہ گلاب
 پھر آئینہ خانے میں داخل ہوئی
 جو حسنِ خدا داد پر کی نظر
 وہ خود آپ پر شفقت ہو گئی
 طبیعت تو تھی آخر آ ہی گئی
 کبھی ہو گئی اپنی جتوں پہ لوٹ
 کبھی اپنے چہرے کو تکی رہی
 رہی محو ہو کر نہ پھر ہوش میں
 کہ دنیا میں میں حسن والی ہوں کیا
 چمک کیا مرے چمکنے کا لوں میں ہے
 طرح دار ہیں انکھڑیاں کس قدر
 نظر کہہ رہی ہے کہ نشتر ہوں میں

لبوں پر دھواں دھار مٹی ملی
 جفا پر جفا پاں کھا کر کیا
 نظر پھر کر سب کو تڑپا دیا
 بہت فکر کوشش میں پہرہ رہی
 ہوئی شانِ حسن اور جن سے بلند
 اک آنچل کو کاندھے سے لٹکا دیا
 زمیں بس گئی، آسمان بس گیا
 دل آزار یوں پر تلی ہر ادا
 جوانی کے دن حسن ابلّا ہوا
 پس پشت چوٹی لٹکتی ہوئی
 بل ابرو پہ گیسو کا ڈالا کبھی
 نئے سرے جو تھی کی بن کے دلہن
 وہ صورت سے اپنی مقابل ہوئی
 تو تھی وہ تجلی نہ ٹھہری نظر
 خدا ہو گئی، بُت ہو گئی
 مقابل کی تھی چوٹ کھا ہی گئی
 کبھی ہو گئی اُٹھتے جو بن پہ لوٹ
 کبھی گیسووں پر پھرتی رہی
 خواصوں سے بولی اسی جوش میں
 سبیلی ہوں کیا بھولی بھالی ہوں کیا
 لٹک کیا مرے لمبے بالوں میں ہے
 بھری ان میں ہیں شوخیاں کس قدر
 چھری سے کٹاری سے بڑھ کر ہوں میں

دیا خادمہ کو جو حکم اس طرح
 نفیس وہ پرندے کا لسیکر چلی
 کہ گر وہ کبھی اس سے ماہر ہوا
 تو رانی پہ لو کچھ نہ حرف آئے گا
 خیال اس کا جس وقت آیا اُسے
 کہا آ کے جھگڑا بٹا آئی میں
 رتن سین آیا جواب اپنے گھر
 کہ بلی نفیس سے اسے کھا گئی
 یہ سن کر بہت ہی اُسے غم ہوا
 کہا خادمہ سب گئی تھیں کہاں
 خواہیوں کو بلوا کے کہنے لگا
 یہ سنکر وہ سب ہنسنے لگیں
 وہ مجرم تو اس طرح گھبرا گئی !
 لگی کہنے گر غفو ہو یہ خطا !
 یہ سنکر اُسے کچھ تسلی ہوئی
 کہا پھر تالی ہے کیا جا ابھی
 رلی جو وہاں سے رہائی اُسے
 بہت خوش اُسے پا کے راجا ہوا
 مگر حال تو تے سے پوچھا نہ کچھ
 اکیلا جو باہر وہ آ کر ہوا
 کہ احوال اپنا بیاں کر ذرا
 پرندے نے ساری حقیقت کہی
 کہا اس کے ناحق بگڑنے کا حال

تو تعمیل کرتی نہ وہ کس طرح
 مگر ڈر سے راجہ کے مُنظر چلی
 یہ احوال تو تے کا ظاہر ہوا
 یہ خون اس کا میرے ہی سر جا بیگا
 تو اپنے مکان میں چھپا یا اُسے
 نہ خاک اس کو دیا آئی میں
 تو تو تے کی دی ناگت نے خبر
 جفا کار ہم سب کو تڑپا گئی !
 وہ سامان راحت کا برہم ہوا
 رہا کیوں اکیلا وہ شیریں زباں
 کہو کون دی بجائے تم کو سزا
 سب آنکھوں سے آنسو بہانے لگیں
 کہ دہشت سے ہونٹوں پہ جان آگئی
 تو اس کا لگاؤں کہیں میں پستا
 طبیعت کو کچھ کچھ تشفی ہوئی
 بلے وہ جہاں ڈھونڈ کر لا ابھی
 تو وہ گھر گئی اور لائی اُسے
 ہوا دفع غم۔ رفع غصا ہوا
 گیا ٹال اس وقت چھڑا نہ کچھ
 تو پر سال وہ اسکو سنگا کر ہوا
 جو کچھ آج گزری عیاں کر ذرا
 وہ رانی کی پوری حکایت کہی
 کہا جان کے پیچھے پڑنے کا حال

نہ ضبط اس سے یہ بات سُکر ہوا
 کہا اس نے یہ ناز اچھا نہیں
 ٹکڑے حسیوں کو زیبا نہیں
 نہیں کہہ اس کو کسی کا پسند
 وہ خالق ہے اس کی ہے قدرتِ بڑی
 وہ صانع ہے رکھتا ہے صنعتِ بڑی
 بنائی ہیں وہ وہ حسیں صورتیں
 پری صورتیں ناز میں صورتیں
 کہ خود ہی وہ صانع ہے ان پر فدا
 جہاں میں ہے ان کا بڑا مرتبہ
 حسیوں سے خالی یہ خلقت نہیں
 کسی بُت کو سب پر فضیلت نہیں
 سرانندِ یب میں ایک مخلفام ہے
 بنایا ہے خالق نے ایسا اُسے
 یہ کہتے ہیں جتنے ہیں اس دین میں
 نہیں ایسی صورت تو دیکھی کہیں
 جو تم اس کو دیکھو تو دل تھام لو
 غضبِ ناک وہ اس کو سُکر ہوئی
 ہوا سرخ منہ لپ چیا نے لگی
 بہت منفصل وہ رنگیلی ہوئی
 کہا خادمہ سے کہ لے جاؤ سے
 ابھی ذبح کر اس کو لے جا کے تو
 یہ تو تا نہیں فتنہ دہر ہے
 یہ راجہ کو اک دن بھرے گا ضرور
 وہ سُن کر فدا اس پہ ہو جائے گا
 بیکل جائے گی دل سے اُفت مری
 بہت جلد یاں سے اسے دُور کر
 رتن سین اس وقت گھر میں نہ تھا
 یہ کہنا گراں اسکے دل پر ہوا
 ٹکڑے حسیوں کو زیبا نہیں
 نہیں کہہ اس کو کسی کا پسند
 وہ صانع ہے رکھتا ہے صنعتِ بڑی
 پری صورتیں ناز میں صورتیں
 جہاں میں ہے ان کا بڑا مرتبہ
 کسی بُت کو سب پر فضیلت نہیں
 پر نیراد ہے پدمنی نام ہے
 کہ زائد بھی کرتے ہیں سجدہ اسے
 پری ہے یہ انسان کے بھیس میں
 نہ پیدا ہوئی ہے نہ ہوگی کہیں
 نہ پھر عمر بھر حسن کا نام لو
 معاً اپنے جاوے سے باہر ہوئی
 غضب میں بھری تھر تھرانے لگی
 بہت اس پہ وہ لال سپیلی ہوئی
 چکھا دے مزہ شوخیوں کا اُسے
 مجھے مطمئن کر ابھی آ کے تو
 قیام اس کا میرے لیے نہر ہے
 صفتِ پدمنی کی کرے گا ضرور
 مرے ہاتھ سے مفت کھو جائیگا
 نہ باقی رہے گی محبت مری
 ترددِ مٹا مجھ کو سرور کر
 کہیں صبح سے تھا وہ باہر گیا

مکاں میں تفس کا چھپانا کہا
 چھپایا نہ کل واقعا کہہ دیا
 رہا دل پہ باقی نہ بھرا اختیار
 کلیجے پہ اس کے لگا تیر سا
 وہ بت کس کی لڑکی ہے کیا نام ہے
 کہیں ہو گئی ہے وہ یا تختہ خدا
 جہاں ہو وہ ظالم تباہ ہے مجھے
 بہت اپنے دل میں لپٹیاں ہوا
 بڑی سخت مجھ سے حماقت ہوئی
 حقیقت میں یہ ہاتھ سے کھو گیا
 وحید جہاں شہر یار جہاں
 پیالہ نہ پی زہر کا حبان کر
 یہ کیوں پاؤں دلدل میں دھرتا ہے تو
 وہاں تک پہنچنا ہے مشکل بہت
 خطر جان کا ہے ضرر حبان کا
 نہ کر ذکر تو اس جفا کار کا
 ہمت گر کو پہچانتا تو نہیں
 برے طور سے جان لیتا ہے یہ
 کلیجے کا بنتا ہے چھالا کبھی
 رگ جاں کا نشتر کبھی بن گیا
 جگر میں کبھی لوک پیکاں ہوا
 دیا جس کو پانی ڈبویا اسے !!
 رلاتا ہے داغ جگر دیکے یہ

کنیزک کا وہ رسم کھانا کہا
 جو گزرا تھا وہ ماحیر کہہ دیا
 گیا سُنتے ہی اس کے دل کا قرار
 وہ لبسمل ہوا سُن کے پنخیر سا
 کہا پد مہنی کوں گلستا ہے
 ابھی تک وہ کسمن ہے ناکتہ خدا
 سکونت کا اس کی پتادے مجھے
 یہ سُنکر پرندہ ہراساں ہوا
 لگا کہنے دل میں کہ آفت ہوئی
 یہ اس ناز میں پر فدا ہو گیا
 لگا کہنے اے تاجدار جہاں
 نہ قصہ کہانی یہ تو کان کر
 سنبھل دیکھ کیا تہر کرتا ہے تو
 کڑی ہے محبت کی منزل بہت
 کہا ماں اس میں ہے ڈر جان کا
 نہ لے نام عشق ستم کار کا
 ابھی تک اسے جانتا تو نہیں
 ارے داغ پر داغ دیتا ہے یہ
 جگر میں یہ ہوتا ہے نالا کبھی
 سہلے کا یہ خنجر کبھی بن گیا
 کبھی زخم دل کا نمکداں ہوا
 نظر جس پہ کی، جی سے کھویا اسے
 بڑا ظلم کرتا ہے دل لیکے یہ

ڈوب دی ہیں ناویں بھری سیکڑوں
 جو قطرہ ہے وہ سانپ کا زہر ہے
 بچے گناہ بے موت مر جائیگا
 مرا زخم مرہم کے قابل نہیں
 رہِ عشق میں اب تو دل کھو چکا
 مقتدر کا لکھا بدلتا نہیں
 خدا کے لیے اب پریشاں نہ کر
 اسی وقت جی سے گزر جاؤں گا
 ہوا سخت مجھ پر اصرار سے !
 جگر تھام کر بیٹھ جاؤں یہی
 وہ رکھتا ہے ہر دم حضورِ نظر
 وہی روح ان کی وہی حبان ہے
 چمن میں ہے گل، شمع محفل میں ہے
 بنایا ہے آپ اس کو اللہ نے
 دلوں کو لکھا کر پھنساتی ہے زلف
 وہ چھل بل ہے ناگنی بھی فریاں ہے
 جنہیں چاندنی جو دھویں رات کی
 انھیں اپنے نقول کا غم نہیں
 ہمیشہ سے تلی ہری آنکھ میں !
 کٹیلی دغا باز دونوں بہم !
 بھری اس میں ہے مہرِ نبی اور بھی
 عیاں صفت ایزد پاک ہے
 عجب بات ان حسن والوں میں ہے

گئے خاک میں ہیں جری سیکڑوں
 قیامت کی اس بحر کی لہر ہے
 نہ مانے گا کہنا تو پچھتاوے گا
 کہا اس نے اب اس سے حاصل نہیں
 جو ہونا تھا تقدیر میں ہو چکا
 جو ہے ہونے والا وہ ٹلنا نہیں
 تو اس بخت کا احوال پنہاں نہ کر
 بتا جلد میں ورنہ مر جاؤں گا !
 نہ تو ! ! ! ! ! آخر انکار سے
 کہا خیر سن، ہے اگر دھن یہی
 وہ گلہ ہے لاجہ کی نورِ نظر
 خدا اس پہ ماں، باپ قربانی ہے
 نظر آنکھ میں، آرزو دل میں ہے
 عجب حن پایا ہے اس ماہ نے
 ستم پر ستم اس کی ڈھاتی ہے لہف
 بڑی قد سے بھی اسکی لمباں ہے
 وہ مانگ اس کی ہے راہِ ظلمات کی
 وہ جٹی بھویں تیغ سے کم نہیں
 قیامت کی شوفی بھری آنکھ میں
 ستم گر فصول ساز دونوں بہم !
 نظر سے ہے جی پر نبی اور بھی
 حسین شمع کی لو سے بھی ناک ہے
 صباحت گل ترک کی سکا لوں میں ہے

وہ مشاق جور و جفا میں نہیں
 نہیں اس نے سیکھا سونرنا ابھی
 ہے کچا ہی وہ ناز کا پھیل ابھی
 ابھی پوری چودہ برس کی نہیں
 ہنسی کھیل کے چلبے پن کے دن
 اچھوتی ہے وہ گھلن اب تلک
 قرابت کے پیغام لاتے ہیں لوگ
 برا اس گل کے قابل وہ پاتا نہیں
 کھلے اس پہ تیری لیاقت اگر
 تصور کرے اس کے لائق تجھے
 ہوا جوش دل کا سوا اور بھی
 قیامت کا طوفان اٹھانے لگیں
 لگا دی جگر میں محبت نے آگ
 سنبھالے نہ اس کو سنبھلتا تھا دل
 لبوں پر مٹی آہ جگر کش ابھی
 گھٹا خون سارا، تھابت بڑھی
 نہ شوق سے ارغوانی رہا
 یہی بات تو تے سے مٹی بار بار
 سنا دے مجھے پھر نسانہ دہی
 وہ نزدیک ہے ملک یاد دوسے
 کھلا ہم پہنچ جائیں گے یا نہیں
 نہ اس کے سوا دوسری بات مٹی
 دُزیر دم صاحب بھی گھبرا گئے

اسے دخل ناز و ادا میں نہیں
 نہیں حسانتی وہ نکھرنا ابھی
 وہ گلیوش ہے اٹھتی کو پل ابھی
 ابھی اتنی مست کی ہنسی نہیں
 ابھی اس کے ہیں اُٹھتے جو بن کے دن
 نہیں وہ بنی ہے دلہن اب تلک
 ہر اک ملک سے روز آتے ہیں لوگ
 مگر باپ کو کوئی بھاتا نہیں
 تری دیکھ لے ہاں وہ صورت اگر
 تو سمجھے غیب کیا وہ نائق تجھے
 یہ سن کر وہ بیخود ہوا اور بھی
 لہو دونوں آنکھیں بہانے لگیں
 گئے دل سے صبر و قرار اسکے بھاگ
 یہ دھڑکن مٹی ہاتھوں اچھلتا تھا دل
 کبھی ہوش میں اپنے تھا غش کبھی
 گھٹی طاقت جسم وحشت بڑھی
 نہ دل میں وہ جوش جوانی رہا
 نہ تھا ایک ساعت بھی اس کو قرار
 ذرا مہرباں پھر تیرا نہ وہی
 بتا جس میں وہ غیرت حور ہے
 کبھی ہم نے وہ شہر دیکھا نہیں
 یہی فکر بس اس کو دن رات مٹی
 سب احباب دہرازد تنگ آ گئے

کوئی پھول ایسا چین میں نہیں !!
 سوا ہو نہٹ یا قوت سے لال ہیں
 عجب اس کا منہ ہے عجب دانت ہیں
 نہ بیلے کی کٹیاں حسین اس طرح
 ڈھلا اس کا سانچے میں سارا کلا
 صفائی سے اس کی نظر دنگ ہے
 دہ لو خیز جو بن کا عالم غصب
 کمری کے حقے میں آیا ہے لوح
 ملائم میں دست حنائی بہت !
 تصدیق ہیں گلابے تر پیٹ پر
 وہ باہری مدح گوئی سے ہے
 وہ رانیں بھری چکنی چکنی سڈول
 ڈھیل اور اس طرح شفات صاف
 وہ تلوے کہ آئینہ حیلان ہے
 حنا ان سے منہ موڑتی ہی نہیں
 چلی جب ذرا حیاں وہ چل گئی
 نہ دہرا نہ ایسا اکہرا بدن !
 سب اعضا نے چمپے کا پایا ہے رنگ
 پسینے کی خوشبو سوا عطر سے
 بھو باتیں ہیں وہ بانکپن کو لئے
 سرور جگر راحت دل ہے وہ
 یہ جی چاہتا ہے کہ دیکھا کرے
 ابھی اس پہ وہ ماحامیل نہیں

یہ رنگت سمن سترن میں نہیں !
 وہ بے پان کھائے ہوئے لال ہیں
 ڈھلے ایک سانچے میں سب دانت ہیں
 نہ موتی کی لڑیاں کہیں اس طرح
 صراحی سے بھی بڑھ کے پیارا کلا
 عیاں پان کے پیک کا رنگ ہے
 ابھارا ان کا سینے پہ کم کم غضب
 رگ گل سے بھی بڑھ کے پایا ہے لوح
 نراکت لئے ہے کلائی بہت !
 پھیلتا ہے پائے نظر پیٹ پر
 سوانرم میدے کی کوئی سے ہے
 بہت ہی مناسب بہت ہی سڈول
 کہ منہ دیکھ لے آدمی صاف صاف
 صفائی پہ دونوں کی قُربان ہے
 گھڑی بھرت دم چھوڑتی ہی نہیں
 کہ دل اپنے تلووں سے مل دل گئی
 نہایت ہی سوزوں چھیرا بدن
 اسی گل کے حقے میں آیا ہے رنگ
 بدن سر سے پاتک بسا عطر سے
 ادا میں جو ہیں وہ چھین کو لئے !
 کلیجے میں رکھنے کے قابل ہے وہ
 کمرے تو ای بُت کو سجدا کرے
 ستم قہر ڈھانے کے قابل نہیں

ضعیفی میں ہے تو جوانی مری
 سمجھتی تھی میں تو ایسا نہ تھی
 ادھر ناگت کا یہ احوال تھا
 یہ کہتی تھی وہ اور روتی تھی وہ
 دیا پھونک توتے نے کیا کان میں
 ارے جوگ توتے یہ کس پر لیا
 مری توتے اُمید کیوں توڑ دی
 نہیں تو کھلا دے مجھے زہر تو
 ہوں میں بھی جو گن چلوں تیرے ساتھ
 بیان ناگت کا قیامت کا تھا
 بہت تنگ سب اس کے ماتم سے تھے
 رتن سین سے لپٹی جباتی تھی وہ
 پریشاں تھا غم سے دل اس کا
 ڈھلکتے تھے پلوں سے وہ کہ اشک
 رہے باز اشنا نہ مقدور تھا
 چلا اپنی وہ سلطنت چھوڑ کر
 کبھی خوش کبھی غم سے مضطرب چلا
 لیا ساتھ اپنے پرندے کو بھی
 وہی آگے ان سب کے اُڑ کر ہوا
 ہر اک شے تھی بدلے ہوئے اپنا رُوپ
 سیہ نام دن بھی تھا شب کی طرح
 سمندر بھی پوشیدہ دریا میں تھا
 جس آہ کو دیکھا سراپا سیاہ

تجھی تک تو ہے زندگانی مری !
 یہ اُمید تجھ سے تو بیٹا نہ تھی
 ادھر ماں پریشان کا حال تھا
 سنبھلتی نہ تھی جان کھوئی تھی وہ
 کہ کیا ہو گیا تجھ کو اک آن میں
 یقین اس کا کہنا یہ کیوں کر لیا
 محبت مری توتے کیوں چھوڑ دی
 خدا کے لیے کرنے یہ قہر تو
 نہو یہ بھی تو محکولے اپنے ساتھ
 کہوں کیا کہ وہ دن کس آفت کا تھا
 پریشان چھوٹے بڑے غم سے تھے
 بکیتی تھی سب کو رلاتی تھی وہ
 رتن سین کو بھی تھا صد ما بہت
 ٹپکتے تھے آنکھوں سے بہ بہ اشک
 مگر کیا کرے دل سے مجبور تھا
 چلا آخر ان سب سے منہ موڑ کر
 پیادہ سوئے ملکِ دلبر چلا
 نفس سے دیا کھول توتے کو بھی
 وہی راہ میں ان کا رہبر ہوا
 وہ دن جیٹھ بیباک کے اندر دھڑ
 جگر خشک ہوتے تھے لب کی طرح
 بڑا دھوپ کا زور دُنیا میں تھا
 جہاں جو مسافر تھا وہ تھا سیاہ

یہ غم بادشاہوں کو زیبا نہیں
 پرندے کے کہنے پہ احوال یہ
 پڑے چار پائی پہ ہمسار سا
 ٹول جائے گی سلطنت خاک میں
 ہوا دل پہ اس کے نہ کچھ بھی اثر
 تڑپنے لگا اس کا دل اور بھی !
 لگی تھی جو یہ چوٹ پہلے پہل
 گھڑی بھر کو فرصت وہ دیتا تھا
 لگا تھا اسی شوقِ رعنا میں دل
 نیازنگ ہر وقت لاتا تھا دل
 تقاضا یہی دل کا پہلو میں تھا
 بس اب صبر کی ہو چکی انتہا
 نکل جلد اپنے مکان سے نکل !
 حکومت سے ہزار ہوئی گیا !
 سروتن پہ اپنے رانی بھوت
 کیا زیب تن گمیرا پیرہن
 بھوت اس کے چہرے کا غاذہ ہوئی
 سجا ہاتھ میں اس کے مالا بہت
 بنے جوگی وہ سب بھی آئے نظر
 وہ آنام سب اپنا کھو کر چلے
 جگر ٹکڑے ٹکڑے الم سے ہوا
 نہ تھا آج تک تو یہ سودا تجھے
 لڑھاپے میں میری کمر توڑ کر

کہتا سب تے یہ رنج اچھا نہیں
 یہ نام اور سرکار کا حال یہ
 جہان دیدہ دی ہمسار سا
 ٹھنی ہے یہی جو دل پاسک میں
 مگر کچھ ہوا وہ نہ سنکر خبر
 ہوا بلکہ وہ مضحل اور بھی !
 ہوا تھا جو دل لوٹ پہلے پہل
 تو در جگر چین لیتا نہ تھا
 بہلتا نہ گلشن نہ صحرا میں دل !
 کسی دم نہ قابو میں آتا تھا دل
 اثر خون دل کا ہر آنسو میں تھا
 کہ ہے ضبط کی بھی کوئی انتہا
 جو چلتا ہے تو ملک جاناں کو چل
 وہ آخر کو تیار ہوئی گیا
 سر بزم اسیدم مشکائی بھوت
 کیا چاک وہ جسم کا پیرہن
 بہت دفع پہ اس پہ زیبا ہوئی
 کھلا دوش پر مرگ چھالا بہت
 مصاحب تھے اس کے دہاں جس قدر
 وہ سب اس کے ہمراہ ہو کر چلے
 ہوا مال کا حال اس کے غم میں ہوا
 کہا کیا ہوا ہائے بیٹا تجھے
 کہاں تو چلا مجھ سے منہ موڑ کر

اسی میں وہ میری طرح حدار ہے
 اسی سے تھا وہ پوچھتا بار بار
 سرانہیں پہنچیں گے ہم کب تلک
 کہ وہ شہر ہم کو نظر آئے گا
 بہت شہر سے اپنے دور آگئے
 بڑے انتظار اور مصیبت کے بعد
 جھلک اپنی کچھ کچھ دکھانے لگا
 وہ ایام تکلیف و اذیت آگئے
 جو وہ آ رہی ہے سیاہی نظر
 زمانے میں یہ قلعہ ہے قہر کا
 یہی گھر یہاں ہر دلاور کا ہے
 وہ جس کے کھس میں جھلک بہت
 وہ سونے کی چادر پڑی جس پہ ہے
 بلا شک ہے تفتیر والا بڑا
 سر اس بت کے قدموں پہ دھرتی لوگ
 اسے پوچھتی ہے وہ کلفام بھی
 مکالوں میں ہے جس کا رُتبا سوا
 وہ سورج کے ایسی جھلک حسنی ہے
 وہ جس کے ہیں دیوار در جلوہ گر
 ترے شوخ کلیوش کلفام کا
 اسی میں ہے وہ اختہ برج حسن
 کنارے لگا آ کے ان کا جہاز
 سفر ہو چکا ختم منزل ہوئی

کہ یہ شک یہی کشور یار ہے
 وہی سبز پوش اس کا تھا غمگسار
 مرے دل کا جائے گا غم کب تلک
 کبھی وہ گھڑی بھی تھلا لائے گا
 وہ کرتا تھا عرض اب حضور آگئے
 غرض ایک دن چند مدت کے بعد
 نظریار کا شہر آنے لگا
 کہا اس سے تو تے نے لو آگئے
 کر اب اٹھ کے شان الہی نظر
 یہی قلعہ ہے اس بڑے شہر کا
 اتارا ہیں فوج و لشکر کا ہے
 وہ گنبد کی جس میں چمک ہے بہت
 وہ اک لال جھنڈی کڑی جس پہ ہے
 وہ اس شہر کا ہے سوالا بڑا
 پرستش بڑی اس کی کرتے ہیں لوگ
 فلا اس پہ ہیں خاص بھی عمام بھی
 محل وہ جو ہے سب اُدخیا سوا
 سوا ہر مکال سے چمک جس میں ہے
 وہ جس پر کہ ہے چتر زر جلوہ گر
 یہی قصر ہے اس نکلی اندام کا
 اسی میں ہے وہ گوہر درج حسن
 یہی گفتگو تھی کہ پہنچا جہاز
 جو تھی آرزو دل کی حاصل ہوئی

اسی میں وہ میری طرح حدار ہے
 اسی سے تھا وہ پوچھتا بار بار
 سرانید پہنچیں گے ہم کب تلک
 کہ وہ شہر ہم کو نظر آئے گا
 بہت شہر سے اپنے دور آگئے
 بڑے انتظار اور مصیبت کے بعد
 جھلک اپنی کچھ کچھ دکھانے لگا
 وہ ایام تکلیف و ایدہ آگئے
 جو وہ آ رہی ہے سیاہی نظر
 زمانے میں یہ قلعہ ہے قہر کا
 یہی گھر یہاں ہر دلاور کا ہے
 وہ جس کے کس میں جھلک بہت
 وہ سونے کی چادر پڑی جس پہ ہے
 بلا شک ہے تفتیر والا بڑا
 سر اس بت کے قدموں پہ دھرتی لوگ
 اسے پوچھتی ہے وہ کلفام بھی
 مکالوں میں ہے جس کا رُتبا سوا
 وہ سورج کے ایسی جھلک حسنی ہے
 وہ جس کے ہیں دیوار در جلوہ گر
 ترے شوخ کلیوش کلفام کا
 اسی میں ہے وہ اختہ برج حسن
 کنارے لگا آ کے ان کا جہاز
 سفر ہو چکا ختم منزل ہوئی

کہ یہ شک یہی کشور یار ہے
 وہی سبز پوش اس کا تھا غمگسار
 مرے دل کا جائے گا غم کب تلک
 کبھی وہ گھڑی بھی تھلا لائے گا
 وہ کرتا تھا عرض اب حضور آگئے
 غرض ایک دن چند مدت کے بعد
 نظریار کا شہر آنے لگا
 کہا اس سے تو تے نے لو آگئے
 کہ اب اٹھ کے شان الہی نظر
 یہی قلعہ ہے اس بڑے شہر کا
 اتارا ہیں فوج و لشکر کا ہے
 وہ گنبد کی جس میں چمک ہے بہت
 وہ اک لال جھنڈی کڑی جس پہ ہے
 وہ اس شہر کا ہے سوالا بڑا
 پرستش بڑی اس کی کرتے ہیں لوگ
 فلا اس پہ ہیں خاص بھی عمام بھی
 محل وہ جو ہے سب اُدخیا سوا
 سوا ہر مکال سے چمک جس میں ہے
 وہ جس پر کہ ہے چتر زر جلوہ گر
 یہی قصر ہے اس کلی اندام کا
 اسی میں ہے وہ گوہر درج حسن
 یہی گفتگو تھی کہ پہنچا جہاز
 جو تھی آرزو دل کی حاصل ہوئی

جو پتہ تھا چہرہ تھا ہمار کا
 پھپھوے تھے پائے نظر میں پڑے
 چکنا وہ بالو کا اللہ سے
 زین آگ تھی آسمان آگ تھی
 لگاتار دن بھر برستی تھی آگ
 جو ذرے اڑے وہ شر ہو گئے
 زمین گرم جلتا تو جس طرح
 اڑے جو پرندے وہ جل بھن گئے
 نظر سبز پتا نہ آیا کہیں
 قیامت کے دن تھے قیامت کا چھوپ
 پریشاں تھے مضطر تھے رسول تھے وہ
 ہر اک کو تھے جینے کے لالے پڑے
 قریب ان کے آتا نہ تھا غم کہیں!
 جگر چاک ناخبر بہ کار عشق
 عجب طرح کا دلولہ دل میں تھا
 جو دم لول تو اب میں پہنچ کر وہیں
 کناٹے سمندر کے آکر لڑکے
 اڑا کھول کر پال پر کا جہاز
 ترقی ہی پر دل کا تھا اضطراب
 کبھی ناگت کا کبھی ماں کا غم
 کبھی گھر کے چھٹنے کا غم کبھی اسے
 تو باقی نہ رہتا کسی کا خیال
 تو وہ شرط شادی سے گھبرا گیا

جو غنچہ تھا شک اس پہ تھا خار کا
 طیش سے تھے چھائے جگر میں پڑے
 وہ چلنا وہاں لو کا اللہ سے
 ہوا آگ تھی ہر مکان آگ تھا
 بچھوں دو گھڑی کو ترستی تھی آگ
 یہ سوزش تھی چھائے گہر ہو گئے
 بتلاتی تھی دل کو ہوا اس طرح
 درختوں کے سب چل پھول بھن گئے
 ہر نخل کوئی نہ پایا کہیں!
 بیاں کیا کروں تھی کس آفت کی دھوپ
 اسی دھوپ میں رشت پیا تھے وہ
 ہزاروں تھے تلوؤں میں چھالے پڑے
 مگر پھر بھی لیتے یہ تھے دم کہیں
 خصوصاً وہ تازہ گرفتار عشق
 بہت تیز رو قطع منزل میں تھا
 یہی چاہتا تھا نہ ٹھہرے وہ کہیں
 غرض راہ میں وہ نہ دم بھر رُکے
 چلے وال سے پھر بے سنگا کر جہاز
 مگر تھا نہ اس خستہ دل کو قہار
 کبھی اپنے حال پریشاں کا غم
 کبھی سلطنت کا الم کبھی اسے
 جب آتا مگر دینی اس کا خیال!
 جہاں ملک توئی نظر آ گیا

چٹوڑ گڑھ کے ایک برہمن کا سرانڈیپ جانا اور توتے
کو مول لیکر واپس آنا اور رتن سین کے ہاتھ بیچنا

ہوا مجھ سے ساتی خفا کس لیے
ترے طور بے طور کیوں ہو گئے
جو جاری ہے وہ فیض تو کم نہ کر
پلائی ہے نے تو پلاتا ہی حب
اب آگے ہے یہ داستان اس طرح
کہ اک تاجر نامور ذی وقار
سرانڈیپ چٹوڑ گڑھ سے چلا
سفر اک برہمن بھی کرتا چلا
پیونچ کر وہاں خوش ہوئے شمال
کچھ اسباب بیچا خرید ابھی کچھ
انھیں کا وہاں گرم بازار تھا
جدھر جائے دل گنوا آئے
برہمن نے وال ایک تو تالیا
یہ تو تالیا وہی نغمہ پرواز تھا
اب آیا جو واپس وہ کل تافلہ
جو توتے کی ہر سمت شہرت ہوئی
یہاں تک تمام اس کا شہرہ ہوا
اسی وقت فرمان صادر ہوا
وہاں اس نے جادو بیانی وہ کی
کہ راجہ کا دل اس نے بھڑکا دیا

نظر تو نہ تھا پھر گیا کس لیے
ارے بند یہ دور کیوں ہو گئے
جی ہے جو محفل تو برہمن نہ کر
پیالے لبوں سے لگتا تا ہی حب
ملک نے کیا ہے بیاں اس طرح
جہاں گرد فہمیدہ دیویشیار
چلا ساتھ اس کے بڑا تافلہ
دم اس شہر کا دل سے بھرتا چلا
لیا سب نے تھوڑا بہت جنس وال
حسینوں کا دیکھا تماشا بھی کچھ
انھیں کا زمانہ خردیدار تھا
جگر پر نیاز خم کھا آئے
یہی اس نے وال ایک سودا لیا
کہ پدماتی کا جو دستار تھا
ہوا شہر میں سب کا پھر داخلہ
بڑی برہمن کی بھی عزت ہوئی
کہ راجہ کی محفل میں چرچا ہوا
برہمن اُسے لیکے حاضر ہوا
سراخن گلشنانی وہ کی
اُسے برہمن سے وہیں لے لیا

رتن سین حیراں ہوا اور بھی وہ کہتے لگا اے دل میں یہی
یہاں عام جب حسن ہے اس طرح تو ہوگی وہ پردہ نشین کس طرح
صلاح ان کو تو تے نے دی اتنی شوالے یہ تم چل کے ٹھہرو ابھی
تمنائے دل ہوگی پوری وہیں نصیب اس کی ہوگی حضوری وہیں
اب اس کی خبر جا کے کچھ لاؤں میں
جو موقع ہو کچھ اس سے کہہ آؤں میں

پداوت کا خواب دیکھنا

خُدا کے لیے خیر سابقا عطا اک بھرا حیا مگر سابقا
ہوا ہے نیا اک فکر مجھے کسی خواب کا ہے تصور مجھے
طبیعت مری کچھ پریشاں سی ہے سری عقل کچھ آج حیراں سی ہے
تصور ہے محب کو اسی خواب کا برا حال ہے جان بے تاب کا
رتن سین کے ہاں پہونچنے کے قبل کوئی پندرہ بیس روز اس سے قبل
تھی آرام میں پدمنی ایک شب سٹے بند آنکھیں تھی وہ غنچہ لب
گئی شب جو ادھی گزر خواب میں تو آیا یہ اس کو نظر خواب میں
کہ دنیا ہے روشن جہاں صاف ہے شب ماہ ہے آسمان صاف ہے
بہت صاف دھویا دھلایا ہوا ! ستاروں سے ہے جگمگایا ہوا
ہر اک سمت پیہم برسا ہے نور چھا چھم چھا چھم برسا ہے نور
جدھر دیکھئے نور ہی نور ہے شجر جو ہے برتن سر طور ہے
عجب عیش و آرام کی رات ہے وہ شب ہے شب وصل بھی ماست ہے
وہ شب ہے کہ دن سے ہے روشن سوا شب قدر سے جلوہ افکن سوا !!
یہ کہتے ہیں ذرے تسارے ہیں ہم حسیں کی آنکھوں کے تارے ہیں ہم
سر آسمان ہے دماغ زمیں

سب اس شہر دکش کے اندر چلے
 کہ حیراں وہ اسکو ہوئے دیکھکر
 حسیان گلرو کا گلشن تھا وہ
 صبحوں کا جھرمٹ حسینوں کا غول
 جو گھر تھا وہ آدر کا بتخانہ تھا
 اداؤں سے انسان کا دل چھین لین
 کسی کو ہسینوں کو ترسا گئیں
 منہ اس سے چھپایا دکھایا اسے
 کٹاؤں کے کوچے میں ذرات تھا
 کبھی غفلت و چشم پوشی سے کام
 چھری بانک بر چھی کٹاری نظر
 شہکار قتالہ دہر سب !
 کوئی بات ہو اس میں غمزہ ادا
 گل اندام کلفام گل پوش سب
 کوئی حور پیکر پری چھم کوئی
 جو باتیں تھیں ان میں جھانیں بہت
 کبھی جھک گئیں نیچی چٹوں کی طرح
 اور اس کے عوض داد دینا انھیں
 کرشموں سے غمزوں سے حیراں تھے لوگ
 اور ان کے دل تھا ناہر گھڑی
 کلیجہ کسی کا سلامت نہ تھا !
 کہیں (یر تیغ ادا تھا کوئی)
 کہیں آہ نہ فریاد تھی جلے آہ

وہ جوگی سب اس سے اتر کر چلے
 وہ دلچسپ شہراں کو آیا نظر
 صبیحان عالم کا مسکن تھا وہ
 جدھر دیکھتے مہ جبینوں کا غول
 گزر سکے دل میں بتوں کا نہ تھا
 وہ عیار ایمان لین دین لیں
 کسیکو جھک اپنی رکھ لا گئیں
 کیا اس کو مائل لکھایا اُسے
 وہ قاتل کہ جلا د بھی مات تھا
 کبھی ان کو غمزہ فردشی سے کام
 ہراک کی سرور دودھاری نظر
 دلوں کے لیے فتنہ و قہر سب
 سراپا کرشمہ، سراپا ادا
 حسین دلربا غارت ہوش سب
 کوئی گلبدن ماہ عالم کوئی
 جو گھاتیں اٹھیں ان میں ادا تیں بہت
 کبھی تن گئیں اپنے جو بن کی طرح
 دل اک اک کا سینوں سے لینا انھیں
 جفاؤں سے ان کی پریشاں تھے لوگ
 انھیں کا انھیں سامنا ہر گھڑی
 وہ تھا کون جو محو صورت نہ تھا
 کہیں صید نہر جفا تھا کوئی
 کہیں تو کسی لب پہ تھی ہائے

گلے خوب دل کھول کے مل چکے
 وہ دونوں لنگا ہوں سے پہناں ہوتے
 وہ مہ پارہ مہر حسین جاگ اٹھی
 وہ فتنے کی دو کھڑکیاں کھل گئیں
 وہ عالم نظر میں سمایا ہوا !
 وہی جلوۂ طور پیشِ نظر
 نظر آ رہے تھے وہی حیا رسو
 وہی لور دیتے دکھائی اسے
 کسی طرح منہ اپنا دکھلائے صبح
 کسی طرح ان سے یہ قصا کہوں
 شگفتہ لگا ہونے گلزارِ صبح
 سیاہی جو پھیلی تھی وہ ہٹ چلی
 خزاں آگئی شب کے گلزار میں
 وہ پھر عطر کپڑوں میں ملنے لگی
 لگی رقص کر کے نسیمِ حسن
 گلستاں میں چڑیاں چمکنے لگیں
 پھر آباد مندر شوالے ہوئے
 عبادت گزاروں کو چوں لگا چلیں
 ہوتیں زیب فرش ایک انداز سے
 تو پھر خواہش زیب و زینت ہوئی
 دوپٹہ وہ سر پہ سنہبِ لا گیا
 وہ اک سال میں پھر دبائی گئی
 گئی فرش پر بیٹھ انداز سے

جو وہ دونوں بچھڑے سوئے مل چکے
 ذرا ہی سو مشقتاں ہوتے
 اس اثنا میں وہ نازنین جاگ اٹھی
 وہ جادو بھری انکھریاں کھل گئیں
 مگر وہ سماں دل میں چھپایا ہوا
 وہی عالم لور پیشِ نظر
 وہی سین آنکھوں کے اب روبرو
 نہ پھر نیند اس دم سے آئی اسے
 پریشاں کہ اب جلد ہو جائے صبح
 خواصوں سے یہ خواب اپنا کہوں
 دکھائی دئے بارے آثارِ صبح
 چلی رات عالم سے پوچھٹ چلی
 لگا فرق آنے شبِ تار میں
 صبا بس کے پھولوں میں چلنے لگی
 چلی اڑ کے ہر شوشیمِ حسن
 ستاروں کی آنکھیں چمکنے لگیں
 چلے لوگ چپ پہرے والے ہوئے
 صدائیں اذانوں کی بھی آچلیں
 اٹھیں حسن کی دیویاں ناز سے
 جو منجن مٹی سے فراغت ہوئی
 منہ آئینہ میں دیکھا محبِ لا گیا
 گلوری پھر اچھی بنائی گئی !
 اٹھی وہ حسین بسترِ ناز سے ! !

ستاروں سے تابندہ تر سب چراغ
 عملداری لوز ہے ہر طرف
 ندا ہو رہی ہے چمک ساہ پر
 چمکتا ہے مہتاب اس شان سے
 دلوں کو بھانے کا ڈھنگ اسمیں ہے
 فلک جہن پر اپنے مغرور ہے
 چلی آتی ہے روح پرور ہوا
 پریشاں نہیں شور و غل سے دماغ
 قیامت کا سونا حسینوں کا ہے
 ستم ڈھا رہی ہے جوانی کی نیند
 لگی صاف پیادہ ہے تالین پر
 گلے میں ہے ہار اک معطر پٹا
 مگر لی ہیں جو کروٹیں ناز سے
 وہ جو بن جو تنگی سے گھبرائے ہیں
 بکھر کر پڑے کچھ ہیں چہرے پر بال
 مگر بال لپٹے ہیں جو پیار سے
 تو ظاہر ہیں نکالوں پہ سائے نشان
 ہوا اس سماں میں سماں اور یہ
 کہ خورشید مغرب سے تاباں ہوا
 چلا سوئے مغرب جدھر چاند تھا
 ادھر سے چلا چاند بھی شوق میں
 ہوئے دونوں دست و نعلین طرح

جو ذرے ہیں وہ گوہر شب چراغ
 سپاہی زمانے سے ہے برطرف
 گماں کہمکشاں کا ہے ہر راہ پر
 کہ قربان تارے ہیں سو جان سے
 حسینوں کے نکالوں کا رنگ اسمیں ہے
 جو تارہ ہے خالی رخ حور ہے
 بہت ہلکی ہلکی معطر ہوا
 بسے جاتے ہیں بوئے گل سے دماغ
 ستم اینڈ نا نازیوں کا ہے
 وہ استی بھری شادمانی کی نیند
 چنے پھول ہیں کچھ ادھر کچھ ادھر
 دوپٹہ ہے ملل کا منہ پر پٹا
 تو کچھ ہٹ گیا ہے وہ انداز سے
 تو انگیا سے کچھ کچھ نکل آئے ہیں
 ڈھکے ان سے کچھ پھول سے ہی نکال
 دبے ہیں جو تکیے پہ رخسار سے
 نظر آتے ہیں پیارے پیارے نشان
 بڑھی زینت آسماں اور یہ
 بڑے کروفر سے مسایاں ہوا
 بڑھا جس طرف جلوہ گر چاند تھا
 گلے اس کے ملنے بڑھا ذوق میں
 کہ معشوق عاشق ملیں جس طرح

زمیں پر بچھالے ہوئے جال تھی
 سجاوٹ کا اپنی تھی دم بھر رہی
 بڑا قہر اس وقت تھی ڈھار رہی
 اتر کر کبھی فرش پر چھپا گئی
 کبھی بولی سنبھل ہے بالوش پر
 بلایں کبھی گوری گروں کی لیں
 دوپٹا تھا سر سے ڈھلا دوش پر
 سوا چاند سے جلوہ گر کال تھے
 وہ کمرہ بھی غیرت وہ طور تھا
 اٹھانی نہ تھی وہ ادھر سے نظر
 وہ حیران خالق کی قدرت پہ تھی
 گمراہ آئے اس بُکے آغوش میں
 جھجک کر دوپٹا جھٹکنے لگی
 ہنسی بعد اس کے وہ بچان کر
 رہا جا کے تو اتنی مدت کہاں
 بہتا تو یہ زندہ رہا کس طرح
 وہ حال جفا کے زمانہ کہا
 کنوئیں کی وہ اپنی مصیبت کبھی
 وہ چپوڑ گڑھ کے برہمن کا حال
 وہ اسدن کی رانی کی سخت کا ذکر
 خسیال اس کا وہ انفعال اس کا وہ
 وہ بچتا کنیز کے احسان سے
 مفصل بیاں اس کا وہ جب نہیں

اور اپنے وہ کھولے ہوئے بال تھی
 وہ بالوں میں کنگھی تھی خود کر رہی
 وہ زلف اپنی چیل بل تھی دکھلا رہی
 کبھی بڑھ کے تیکے تلک آگئی
 کبھی رخ پہ بکھری کبھی دوش پر
 بلایں کبھی روئے روشن کی لیں
 جوانی کا وہ حُسن تھا جوش پر
 عجب اس گھڑی حُسن پر کال تھے
 تمام ان کا پھیلا ہوا نور تھا
 نہ ہٹتی تھی آئینے پر سے نظر
 وہ خود شیفہ اپنی صورت پہ تھی
 اڑاواں سے اُلفت کے وہ جوش میں
 وہ حیرت سے منہ اس کا تھکنے لگی
 ڈری اس کو وہ اجنبی جان کر
 کہا تھا اے بے مردت کہاں
 یہ بلی کے منہ سے بچا کس طرح
 پرندے نے اپنا فسانہ کہا
 کنیزک کی ساری حقیقت کبھی
 وہ حقوڑا سا صیاد دشمن کا حال
 وہ راجہ کی اُلفت محبت کا ذکر
 وہ تقریر اپنی حبلال اس کا وہ
 وہ دھو بیٹھنا ہاتھ جی جان سے
 یہ کہہ کر کہا اب مناسب نہیں

وہ پھر جمع خدمت کی خاطر ہوئی
یہ اس حور سے عرض کرنے لگیں
گئی آنکھ کھل منہ اندھیرے کیوں
عیاں ان پہ شب کا وہ قصا کیا
یہ کہنے لگیں وہ پر یزاد سب !!
بہت ہی مبارک ہے خواب آج کا
یہی اس کی تعبیر ہے اے حضور
وہ سرکار کو بیاہ لے جائے گا
وہ تارے جوتھے ہم پرستار ہیں
یہی ٹھیک ٹھیک اس کی تعبیر ہے
اور ان سب سے اس نے یہ نہیں کر کہا

خواہیں بھی سب اٹھ کے حاضر ہوئی
دم اس کی اطاعت کا بھر لے لگیں
کہ سرکار اٹھیں سویرے یہ کیوں
بیاں اس نے وہ حال اپنا کیا
یہ خواب اس کا شکر ہوئی شا سب
کہ سرکار نے خواب دیکھا ہے کیا
یہ الفت کی تاثیر ہے اے حضور
کہ پورب سے کوئی جواں آئے گا
وہ خود شید ہے ماہ سرکار میں
اسی کی یہ پہلے سے تاثیر ہے
یہ سن کر لگی ہنسنے وہ مدلتا

کہیں شامیں تو نہیں آگئیں

یہ پھنگ آج تو تم نہیں کھا گئیں

تو تے کا پدماو کے پاس جا کر تن سید کا حال بیا کرنا

یہ بیگانگی آشنا ہو کے ہائے !!
گئی وہ کہاں اگلی الفت تری
رکھائی یہ حضور طیسی شے سے لئے
تو اس حور کی سمت سیدھا اڑا
گیا بیٹھ کمرے کی دیوار پر
تو تنہا وہ کمرے میں آئی نظر
سنگاروں میں مشغول تھی اس گھڑی
سجا عطر داں تھا دھرا سامنے

کہاں ہے تو ساقی خفا ہو کے ہائے
ہوئی دوہی دن میں یہ حالت تری
تغافل یہ دو بوندے سے لئے
جو سمجھا کے اس کو وہ تو تانا اڑا
گیا اسکے بامِ ضیا بار پر
وہاں سے جو اس نے بڑھائی نظر
اکیلی ہی وہ پھول تھی اس گھڑی
لگا تھا بڑا آئینا سامنے

نکل کر گلے سے گرمیاں چلا
 تڑپ کر جب گرمی کو آنے لگا
 گھٹا زور بیتابی دل بڑھی
 طبیعت کی وحشت ستانے لگی
 یہی دل سے کرنے لگی گفتگو
 بری ہی محبت میں آیا یہاں
 برے عشق کا رنگ اس نے لیا
 لڑکپن میں پہلے پہل کا یہ چوٹ
 اسی سے تھی ہر شے سے نفرت مجھے
 اسی غم کے پہلے سے آثار تھے
 بسر ہوگی غم کی یہ شب کس طرح
 یہ بیمار کی طرح صورت بری
 بہت اس کو تشویش تڑپائے گی
 بھلا اس سے باتیں بناؤں گی کیا
 اب اک اک سے محکوم دست ہوئی
 بڑھی اس کی تشویش الجھن بڑھی
 بہت اپنی صورت بنائے ہوئے
 کہ کچھ اور بھی لوچھے تو تے سے حال
 وہ پھر تھام لیتی تھی اپنی زبان
 مگر اس پہ احوال سب کھل گیا
 چھپاتی ہے پر مجھ سے یہ سیم بر
 رتن سین سے جا کے سارا کہا
 لگا اس کو تڑپانے دردِ فراق

زمیں کا طرف پھٹ کے داماں چلا
 سلجے کو غم گد گد آنے لگا
 گرا نباری جان بس بڑھی
 مٹائے دل جوش کھانے لگی
 نئی دل میں پیدا ہوئی آرزو
 برے واسطے اس نے چھوڑا سکاں
 برے ہی لیے جوگ اس نے لیا
 دکھاؤں کسے جا کے دل کی یہ چوٹ
 اسی سے تھی کچھ دن سے وحشت مجھے
 کھلا جا کے اب وہ ایہ اسرار تھے
 کٹیں گے یہ دن غم کے اب کس طرح
 جو ماں گھر میں دیکھے گی حالت مری
 تو وہ ہائے پھر کتنی گھبرائے گی
 جو پوچھے گی تو میں بتاؤں گی کیا
 خواصوں سے بھی مجھ کو خفت ہوئی
 اسی غور میں وہ سمن بر پڑی
 مگر اس کو دل میں چھپائے ہوئے
 سو جھاتا یہی گرچہ اس کا خیال
 مگر شرم ہوتی تھی ہر وہاں
 نہ کچھ گرچہ تو تے سے اس نے کہا
 کہ پہونچا بہت دل پہ اس کے اثر
 یہی اس نے اس حور کا ماہر
 اب اور اس سے دل کا بڑھا اشتیاق

وہ حیرت میں قصہ یہ سن کر ہوئی
 کہا کیوں مناسب نہیں کس لیے
 بتا تو پھر آگے ہوا اس کے کیا
 کہا اس نے کہتے بیاں کیا کر دل
 ترا نام لینا غضب ہو گیا
 ہر اک چیز سے اس کا دل ہٹ گیا
 وہ اتنی بڑی سلطنت چھوڑ دی !
 وہ اچھا بھلا غم کا روگی بنا
 ہوا چل کھڑا اپنا گھر چھوڑ کر
 سفر کی مصیبت اٹھاتا ہوا
 مرے ساتھ ہے آج پہنچا یہاں
 جو اس نے یہ سارا نسا ناسنا
 تو وہ غیرت عور گھبرا گئی
 مگر رہ گئی چپ وہ دل تھام کر
 کہ سچ خواب کی تھی وہ تعبیر کیا
 مرا دل تو سنکر ٹھکانے نہیں
 گئی ٹال پر صاف وہ ملقا
 کہا خیر اب تو نہ حبا نا کہیں
 یہ کہہ کر لیا پھر جھکا اپنا سر
 لگا جوش غم میں عیش آنے سے
 نئی بات اُسے دل سو جھانے لگا
 ہنسی نے لبوں سے کنا را کیا
 قلق نے گلے سے لگا یا اسے

سب احوال سننے کو مضطرب ہوئی
 بیان اس کا واجب نہیں کس لیے
 ملا تو تو راجہ سے پھر کیا کہتا
 بیاں کس زباں سے یہ قصا کر دل
 وہ دل تھام کر حباں بلب ہو گیا
 جگر کی طرح غم سے دل پھٹ گیا
 دیا چھوڑ گھر مملکت چھوڑ دی
 ترا نام لے کر وہ جوگی بنا !
 پیادہ چلا سب کا دل توڑ کر
 نئی چوٹ ہر روز کھاتا ہوا
 شوالے پہ ٹھہرا ہے وہ نیم جاں
 اور اس کا سر اندیپ آنا سنا
 جگر پر لگی چوٹ تیور اگئی !
 لگی سوچنے دل میں وہ سیمبر
 ہوئی ظاہر اس سے یہ تاثیر کیا
 کھنچی آتی ہے لب پہ جان حریں
 وہ حال اس نے گویا سنا ہی نہ تھا
 مرے پاس ہر وقت رہنا ہیں
 لگی حال پر اپنے کرنے نظر
 مگر کچھ سنبھالا حیا نے اسے
 غم اٹھ اٹھ کے دل کو بٹھانے لگا
 تڑپ نے جگر پانا پار کیا
 سر شک الم نے بہا یا اسے

قسم تم کو ان گل سے سگالوں کی ہے
 کئی طرح صورت دکھاؤ مجھے
 زریاں تک آتی سواری اگر
 ستا تانہ یہ ہفتاری کا روگ
 زیادہ نکھول کیا بجز اشتیاق
 کیا ختم مطلب فقط لکھ چکا
 سوئے بام قصر منور اڑا
 اکیلے میں وہ غم کا دفتر دیا
 لگی نکھول کر پڑھنے وہ سہم
 ہوئی اور بے چین وہ دل سربا
 کہ تو کیوں یہ لایا ہے خط غیر کا
 تو کیا میری نسبت کرے وہ خیال
 یہ تجھ سے تو پہنچی گئی ہے خطا
 مرے واسطے کیوں ہو کوئی خراب
 چلی لکھنے حال خراب اپنا وہ

قسم تم کو ان گل سے سگالوں کی ہے
 کہ اب تم نہ اتنا رولاؤ مجھے
 جھلک دیکھ لیتا تمہاری اگر
 تو رہتا نہ یہ اشک باری کا روگ
 مٹائے خدا یہ ملاں فراق
 جو وہ آرزو مند خط لکھ چکا
 تو وہ چوہے میں خط کو سیکر اڑا
 وہ خط اسکو موقع سے اُگر دیا
 وہ حیرت میں آئی اسے دیکھ کر
 پڑھا تو وہ مضمون اس پر کھلا
 یہی اس نے تو تے سے لیکن کہا
 کھلے گر محل میں کسی پر یہ حال
 مگر خیر اب تو ہوا جو ہوا !
 لکھے دیتی ہوں میں ابھی اسکا جواب
 غرض بھیجی لکھنے جواب اسکا وہ

پداوت کا خط

میں اس سے لیے ڈھونڈوں آداب کیا
 کہ اُلفت کا ہمیں رُوگی نکھول
 جو مشتاق لکھتی ہوں واجب نہیں
 کیا چاک خط لکھ کے لے قدر داں
 مناسب کوئی لفظ پاتی نہ تھی !!
 مرے حسنِ نازیدہ سے خواستگار !

پڑی سوچ میں نکھول اُفتاب کیا
 نکھول اس کو راجہ کہ جوگی نکھول
 جو لکھتی ہوں عاشق مناسب نہیں
 دیا لکھ کے کاٹ اس کو اے میری
 کوئی رائے اس وقت بھاتی نہ تھی
 لکھا آخر اے طالبِ بیکار

یہ سینے میں دل کا تقاضا ہوا
 رہیں گے اسی بات کے گیسو میں ہم
 لگیں کہنے اس سے وہ خونبار یہ
 بصارت کی ہم کو دوا دیجئے
 بکائیں رُخ یار کی لیں گے ہم
 ادھر جان کی گفتگو اس طرح
 ہیں چل کے قسربان کر دیجئے
 مرے دوست سچے مرے غمگسار
 جواب اس کا اس بات سے لانا اگر
 شاتی نہ یہ نا صوری ا مجھے
 خط اس بہت کو اس نے کھا اس طرح

سوا اور اب جوش سودا ہوا
 کہ رہتے نہیں اب تو پہلو میں ہم
 ہوا دلوں آنکھوں کا اصرار یہ
 ہمیں اک نظر اب دکھا دیجئے
 لگے کہنے ماتھ اب تو غم دیا گے ہم
 ادھر ماتھ کی آرزو اس طرح
 کہ پورا اب ارستان کر دیجئے
 کہا اس نے توتے سے اے غمگسار
 مرانا تو لے کے جانا اگر
 تو ہو جاتی تسکین پوری مجھے
 ہوا مستعد وہ کہا اس طرح

رتن حسین کا خط

صبح زمانہ، حسین جہاں
 تمہارے ہی رجہٹ میں آکر ٹپکا
 اسے اپنا درشن ہے دینا ضرور
 اُسے پھر نہ تم دیکھنے پاؤ گی
 بہت طول ہے داستان الم
 جو دن کٹ گیا شب گزرتی نہیں
 پلک سے پلک آشنا ہی نہیں
 نہیں ہیں پٹی جان ہے ہر گھڑی
 تمہیں اپنی پتلی تمہارے قسم
 قسم ہے نہیں ناز و انداز کی

یہ لکھا کہ اے ناز میں جہاں
 غریب اک مسافر بہت دور کا
 خبر اس کی ہے تم کو لینا ضرور
 ہوئی دیر اس میں تو پاچھتاؤ گی
 اب آگے لکھوں کیا بیان الم
 تمہارے بغیر اب گزرتی نہیں
 شب غم کی کچھ انتہا ہی نہیں
 رادل پر نشان ہے ہر گھڑی
 تمہیں اپنی بانکی نظر کی قسم
 قسم تم کو چشم فصول ساز کی

نہیں ہے مرے یہ تو عمت کی بات
 انھیں ساری باتوں پہ کر کے نظر
 کہا اب جو جانا ہو تیرا دھڑ
 بسنت آ کے پہنچا ہے نزدیک
 یہی کہہ کے رخصت اُسے کر دیا
 ادھر تو وہ توٹا روانہ ہوا
 گری بہتر ناز پر بے قرار
 لگی لوٹنے مرغ بھسل کی طرح
 بڑا غم بڑا رنج دل پر ہوا
 چھٹا اس کا آرام کھانا چھٹا
 ہوئی کھل کے حد سے سوا زار وہ
 یہاں تو یہ اس بہت کا احوال تھا
 کہ تو تے کا تھا منتظر دیر سے
 نظر اس کی دیوار و در پہ کبھی
 کبھی بیٹھ جاتا ہٹلتا کبھی
 وہ توٹا اس اشنا میں ظاہر ہوا
 کہا آ کے پیغام بلقیس کا
 کیا اس کو اُمید وار بسنت
 وہ کرنے لگا انتظار بسنت

بسنت کے دن پدماد کا پوجے کیلئے مندر جانا

گدھر جاکے تو ساتیا چھا گیا
 وہ سن غل ہے ہر سو پھرایا بسنت
 خبر چھو ہے کیوں بسنت آ گیا
 خوشی پھر بڑی ساتھ لایا بسنت

مرے حُسن کی چوٹ کھائے ہوئے
مری شہرت دلبیری کے شہید
جو خط تم نے کھا وہ مجھ کو ملا
یہ کیوں مجھ پہ تم شیفٹ ہو گئے
تمہیں کہنے سُننے میں جانا نہ تھا
خبر اس نے تم کو یہ دی ہے غلط
مری شکل و صورت تو اچھی نہیں
مرے واسطے جو گ لینا نہ تھا
کچھ اچھا نہ یہ کام تم نے کیا
بُر اس مرض سے ہے الفت کا روگ
کسی کو کسی سے ہے الفت اگر
تو ممکن نہیں ہے اثر کچھ نہ ہو
قرار و مُکون دل سے جاتے ہیں یہاں
مرا بھی اب احوال اچھا نہیں
وہ کُلف اپنی راحت کا جاتا رہا
جن آنکھوں میں رہتا تھا قینا بھرا
وہ زلفیں بھی کالی ہلا اب نہیں
نہ کھانے نہ پینے نہ سونے سے کام
زیادہ بیان الم کیا لکھوں!

مری زلف میں دل پھنسائے ہوئے
مری آنکھ جادو بھری کے شہید
کروں اپنے تو تے کا میں کیا گلا
یہ نادیدہ کیوں مُبتلا ہو گئے
پرندے کی باتوں میں آنا نہ تھا
مری اس نے تعریف کی ہے غلط
اجی جھوٹ ہے سچ یہ کچھ بھی نہیں
مرے دل پہ یہ داغ دینا نہ تھا
مجھے مُفت بدنام تم نے کیا
نہ دشمن کو بھی ہو محبت کا روگ
ہناوٹ کا اس میں نہیں ہے اثر
اسے اس کے دل کی خبر کچھ نہ ہو
دو طرفہ لگی رہتی ہے دل میں آگ
مری زندگی کا بھروسہ نہیں
وہ شغل اپنی زینت کا جاتا رہا
اوتھیں میں ہے اشکوں کا دیا بھرا
وہ پہلی سی شیخ ادا اب نہیں
اگر ہے تو چھپ چھپ کے رونے کا کام
شب و روز کا رنج کیا لکھوں

یہ لکھ کر وہ پڑھنے لگی اپنا خط
پڑھا تو بہت اس کو آئی حیا
یہ میرے لیے تو کچھ اچھا نہیں
کہ لکھ تو نہیں ئیں گئی کچھ غلط
کہ میں اس کو مٹی لکھ رہی ہوں یہ کیا
شریفوں کو یہ بات زیب نہیں

ہر اک ناز میں لاکھوں انداز تھے
 گئی اس سوا لے کی قسمت چمک
 وہ بجلی سی اس میں چمک مگر گئی
 یہ بے ساختہ اس سے آئی صدا
 نہیں نکل کھیتی صباحت میں تو
 زمانے میں لے حور سپر ترا
 جو مانی تھی کی اپنی منت ادا
 اسی سمت بیٹھا تھا وہ غنظر
 اسی شمع پر لو لگائے ہوئے
 تو دشوار دل تھا مٹا ہو گیا
 کلیجے پہ تیغ نظر چل گئی
 کہ بیہوش ہو کر گرا خاک پر
 جہاں سے پرار ماں سفسر کر گیا
 فقیری میں جو بن قیامت کا بھٹا
 اڑے اس پر یزاد کے ہوش بھی
 یہ دھونی رسائے ہے بیٹھا دی
 زمین کی طرف جھک کے جانے لگی
 بٹھا کر وہیں پھر زمین پر اُسے
 ہوا اس کو آنچل کی دینے لگیں
 گیا غش وہ خود فستکی کم ہوئی
 یہ کہنے لگی غمگساروں سے وہ
 جو لوہت یہ اسدم مری آگئی
 نہیں غیراب ویسی حالت مری

ہر انداز میں سیکڑوں ناز تھے
 اسی طرح پہنچی وہ مندر تلک
 پہونچتے ہی مندر کے اندر گئی
 وہ بت بھی ہوا محو ہو کر فدا
 نہیں شک کہ بیکتا ہے صورت میں تو
 نہیں کوئی دنیا میں ہمسر ترا
 غرض تھوڑی دیر اس نے پوجا کیا
 چلیں وال سے وہ ایک مندر کو پھر
 وہ بیٹھا تھا آسن جہائے سے
 جب اس حور سے سامنا ہو گیا
 وہ استانہ چال اس کا دل ملی گئی
 لگا زخم ایسا دل چاک پر
 ہوا سب پہ ثابت کہ یہ مر گیا
 مگر حُسن اس کا بھی آفت کا بھٹا
 ہوئی لوٹ اس پر وہ گلپوش بھی
 گئی وہ سمجھتے ہیں یہ شیدا وہی
 غش آخر وہ مہ رو بھی کھلے لگی
 سنبھالا خواصوں نے مل کر اُسے
 بتائیں وہ سب اس کی لینے لگیں
 جو کچھ دیر میں بیخودی کم ہوئی
 تو شرابی ان جاں نثاروں سے وہ
 کہ گرمی مرے دل پہ تھی چھا گئی
 مگر اب ہے اچھی طبیعت مری

گئے دن بچہ آئے پھر آج چلے
 شجر ہو گئے سب خوشی سے نہال
 ہوئی صبح اس دن کی جب جلوہ گر
 شوالے کو اس کی سواری چلی
 بڑے ٹھاٹھ سے وہ سمن بر چلی
 شوالے سے سب لوگ اٹھائے گئے
 مگر وہ دل افکار اندونگیں
 شوالے کے وہ حور جا کر قریب
 ان تر کر خراماں خراماں چلی
 چلی بڑھ کے شیریں سو کوہ کن
 زیارت کو دامن سے عذرا چلی
 چلی ہستی باد سحر کی طرح
 وہ ناگن سے چوٹی لٹکتی ہوئی
 گلے میں وہ جوڑا بسنتی پڑا
 کہیں تو کڑے سے کڑے لڑ گئے
 کہیں بج سے گھنگرنے بیدار کی
 وہ انداز کیا راہ وہ رفتار ست
 خواہیں کنیزیں طر حور سب
 نہ پاؤں ان کا اٹھ کر جگہ پر پڑا
 ہر اک شوخ کی وضع پیاری وہی
 وہ ڈوبی تھیں سب ایک ہی رنگت میں
 پیریزاد و نازک حسین سب کی سب
 کوئی گلبدن، ماہ پارا کوئی

بہار اپنی عالم کو دکھلا چلے
 ہوئے دشت و کھسار ٹپو سے لال
 چلی گھر سے مندر کو وہ سیم بر
 کہ گلشن کو باد بہاری چلی
 خواصوں کو سب اپنی لیکر چلی
 ہر اک راستے سے ہٹائے گئے
 رہا بلیٹ کچھ ہٹ کے واں کہیں
 اداؤں سے تشریف لا کر قریب
 لئے سیکڑوں دل میں اریاں چلی
 چلی شوق میں نل سے ملنے دامن
 گلے ملنے مجنوں سے لیلے چلی
 چلی اپنی تیغ نظر کی طرح
 وہ آنکھوں سےستی ٹپکتی ہوئی
 کہ اس فصل میں اسکا شہر پڑا
 کہیں کھا کے ٹھوکر چھڑے لڑ گئے
 کہیں لڑ کے چھاگل نے زیادتی
 نظر مست چشم فسونکار مست
 شراب جوانی سے سرشار سب
 دھرایاں، دیاں وہ ہیک کر پڑا
 بدن میں سچی زرد ساری وہی
 فسونکار چالاک ہر ڈھنگ میں
 گل اندام زہرہ جبین کی سب
 کوئی چاند اس میں ستارا کوئی

مراد دل وہ رشکِ قمر لے گئی
 وہ بجلی چمک کر نہ پاں ہو گئی
 جو وہ مستِ خمخانہ بے خودی
 وہی پد مینی نازیں کا فقیر
 سرفاک وہ کچھ سنبھل کر اٹھا
 تو دیکھا کہ غائب وہ گلپوش ہے
 نہ وہ چاند ہی ہے نہ تارے ہیں وہ
 وہی میں وہی بسترِ خاک ہے
 تجھے پھر ہے گھیرے تباہی وہی
 یہ حالت جو دیکھی تو گھبرا گیا
 جو تحریرِ سینے کی آئی نظر !
 وہی اس کی تصویر اُسے کھڑی
 سرے سامنے وہ جیسے آئی کیوں
 جو یوں جلد جانا تھا آنا نہ تھا
 مجھے چین اب آئے تو کس طرح
 پریشان وہ آخر ہوا اس قدر
 تو چاہا کہ ہو جاؤں جل کر ہلاک
 لیا ساتھیوں نے مگر اس کو کھٹام
 اب اٹھا وہاں سے جو وہ بدحواس
 مگر ساتھ ہی اس کے ساتھی گئے
 وہ حیران اس کو ہوا دیکھ کر !
 خدا جانے کس باغ کا پھول ہے
 کہا اس سے تم کو ضرورت ہے کیا

اور اس کے عوض غم مجھے دے گئی
 خدا جانے غائب کہاں ہو گئی
 وہ سرشارِ پیانہ بے خودی
 وہی اس کی زلفِ دوتا کا اسیر
 دھڑے ہاتھ اپنے جگر پر اٹھا
 وہ بجلی کی تصویر روپوش ہے
 نہ شعلہ نہ اسکے شرارے میں وہ
 وہی آرزوئے دل چاک ہے
 ترو میں بیٹھے ہیں ساتھی وہی
 ہوا غم وہ منہ کو جگر آ گیا
 لہو غم سے رونے لگی چشم تر
 یہی دل سے اب گفتگو پھر رہی
 تجھے شکل اپنی یہ دکھلائی کیوں
 جھٹک مجھ کو اپنی دکھانا نہ تھا
 جو تنکین دل پامے تو کس طرح
 کہ جلتی جو داں آگ آئی نظر
 مٹا دوں یہ جھگڑا ہی میں ہوئے خاک
 نہ طے ہونے پایا جنوں کا وہ کام
 تو پہونچا مہاراج کے جا کے پاس
 کہ پہونچے کہیں کچھ نہ صدمالے سے
 کہ آیا نہیں یوں جواں بھی نظر
 عجب دلکش خوشنما پھول ہے
 بناؤ تمہیں مجھ سے حاجت ہے کیا

وہ کہنے لگیں یہی تھی کیا گھڑی
گئی اس طرف یوں گزر آپ پر
اور ایسا گرا ہے وہ دل بھتا مگر
وہ بولی کہ دیکھو تو چل کر ڈرا
یہ سن کر وہ سب پاس اسکے گئیں
مگر بٹھا وہ یوں چوٹ کھا کر گرا
وہ افسوس سب اس کا کرنے لگیں
کسی کو اب اس کی خبر کیا وہاں
بہت ہی ہوئی وہ سینہ بدحواس
کبھی غش کی حالت جو دیکھی نہ تھی
تو اشک اس کی آنکھوں آئے نکل
وہ آخر کو کچھ رہ کے وال منتظر
کہ اب دیر کرنا مناسب نہیں
نہ ضبط اس حسینہ سے اب ہو سکا
لیا جوگ پر لے نہ آیا تمہیں
یہ انگلی سے سینے پہ لکھ کر چلی
گئی پھر نہ وہ اس جگہ سے کہیں
پلٹ آئی گھر اپنے وہ تازہاں

پداوت کے چلے جانے کے بعد تن سیں کا ہوش میں آنا

پونچ جلد ساتی کہ تزا ہوں میں
مجھے دخت رزا کے تڑپا گئی
یہ دے دے کے ظالم نے رشا لیا
یہ سر دُفقت میں بھرتا ہوں میں
جگر کو لٹکا ہوں سے برما گئی
میرا دل اس نے میرا لیا

کہا اس نے کچھ ہم کو حاجت نہیں
 تمنا ہے پد مادتی کی ہم میں
 وہی رشک خورشید ہم کو ملے
 یہ سنکر وہ غصے سے تھرا گیا
 دیا حکم ہوں سبے سب زیر تیغ
 وزیروں نے لیکن بچایا انھیں
 پلٹ آئے ناکام سب پھر وہیں
 ہوئی رات تو کام اب یہ کیا
 تو سوئے محل اب وہ مفطر چلا
 وہاں کو تھا یہ تھرگرد محل
 کوئی پارا تر جائے ممکن نہ تھا
 مگر پونچے وہ نہر تیر کر
 کہ چھینکوں کمنڈ اس کے میں تھریہ
 بلوں جا کے اس برق رخسار سے
 اس اشنا میں لیکن سحر ہو گئی
 چلی تو پس پاسبان جاگ اٹھے
 وہ سب دیکھ کر ان کو گھبرا گئے
 وہ مجبور ناچار سب ہو گئے
 ارادہ تو یہ ساکتیوں نے کیا
 ہم ان کے تیغ و تیر چھین لیں
 مگر اس نے روکا کہ واجب نہیں
 یہ نصر مبارک ہے دلدار کا
 خدا اس پہ میں جان میری فدا

کسی شے کی ہم کو ضرورت نہیں
 جہاں میں ہے حاجت اسی کی ہیں
 وہی دل کی اُسید ہم کو ملے
 زباں پر وہیں حکم قتل آ گیا
 یہ بیباک یہ بے ادب زیر تیغ
 کیا کم وہ غصہ ہٹایا انھیں
 لگا جان کھونے وہ اب پھر ہیں
 گئی شب گزر نصف سے جب سوا
 رفیقوں کو ہمراہ لیکر چلا
 کہ جاری تھی اک نہر گرد محل
 کہیں سے گزر جائے ممکن نہ تھا
 ہوا مستعد اب وہ خستہ جنگر
 پونچ جاؤں اوپر اسے تھام کر
 مشرف ہوں میں اس کے دیدار سے
 سیاہی ہٹی شب بسر ہو گئی
 مقرر تھے جو جو وہاں جاگ اٹھے
 کہ اتنے کہاں سے یہ چور آ گئے
 اسید گرفتار سب ہو گئے
 کہ لڑ کر چکھا دیں ہم ان کو نرا
 یہ گزرو سنان و تیر چھین لیں
 ہمیں ان سے لڑنا مناسب نہیں
 یہ کوچہ ہے پیارے مرے یار کا
 مرے ساتھ ہو جاؤ تم بھی فدا

دیا حکم ان کو نہ اب دد اماں
 نہ ان میں سے بہت کوئی پائے اب
 بہت اپنے دل میں پریشاں ہوا
 کہا اس سے تو قہر کرتا ہے کیا
 یہ جوگی نہیں حاکم فرما ہے یہ
 محبت کا ہے پدہنی کی اثر
 ہوا ہے اسی کی بدولت اسیر
 یہ مجھ سے یہ کہتا ہے کیا سبز لوش
 جو کہتا ہے یہ بیزباں ٹھیک ہے
 یہ ہمت یہ جرأت یہ شوکت کہاں
 بڑی آبرو سے بٹھائے گئے
 بڑا ان کی دعوت کا ساماں کیا
 بڑی معذرت کی عنایت بڑی
 کہ گھوڑے یہ چڑھے کا فرماں دیا
 شرارت کا اس کی بڑا شور مچا
 ادھر سے کوئی ہو کے جانا نہ تھا
 گھٹا کوہ پر موج دریا میں مچا
 پلٹا تو آتا لفظ کی طرح
 سواری ہی میں اس کی گویا وہ تھا
 کھڑا کر دیا آگے لاکر اُسے
 ہوا شاد دل میں وہ حد سے ہوا
 ہوئی سبکو حاصل مسرت بہت
 کہ جاں اپنی وہ دیتی دیتی بچی

ہوا حال راجہ پہ جب یہ عیاں
 سزا ان کو پھانسی کی دیجائے اب
 یہ دیکھا تو توتا ہر اس اں ہوا
 بہاراج کے پاس اڑ کر گیا
 سپہدار چوڑا گڑھ کا ہے یہ
 جو یہ اس طرح آ رہا ہے نظر
 اسی کے لیے یہ ہوا ہے فقیر
 یہ توتے سے منکر اڑے اس کے ہوش
 کہا ہے اس کا بیاں ٹھیک ہے
 گدا کی بھلا ایسی صورت کہاں
 معاف اس سب وہ بلا سے گئے
 بڑے لطف سے ان کو کہاں کیا
 بڑی قدر کی اور محبت بڑی
 مگر امتحاں بھی یہ اس کا لیا
 وہ گھوڑا منکایا جو منہ زور تھا
 کوئی اس کے نزدیک آتا نہ تھا
 ہوا کا تو جھونکا وہ صحرا میں تھا
 جو جاتا تو اڑتا خیر کی طرح
 سوار اس پہ وہ جا کے ایسا ہوا
 پھر کر بھگا کر تھکا کر اُسے
 اب اس کو کوئی شک نہ باقی رہا
 ہوئے خوش اراکین دولت بہت
 ہوئی پدہنی کو بہت ہی خوشی

رتن سین کا وہ یہ سب شکے حال ! یہ ٹھانے تھی دل میں وہ زہرہ شال
 ملے گی جو مرنے کی اس کے خبر تو کر دوں گی میں بھی عدم کا سفر
 اُسے یا تو اپنا بنا لوں گی میں
 وگرنہ ابھی زہر کھا لوں گی میں

پیراوت کے ساتھ رتن سین کی شادی

یہ کیوں میکدے میں، غل شور آج
 یہ کیوں رقص کرتا ہے جام اس قدر
 لگن دخت رز کی پڑی کب سے ہے
 یہ دن تو بڑے جوشِ عشرت کا ہے
 مبارک کرے بپاہ والد یہ
 وہ راجہ اس اثنا میں اندر گیا
 کہا جا کے رانی سے احوال وہ
 کہا پھر نہ پائیں گے گھر اس طرح
 وہ بولی کہ پھر اس میں عرصہ ہو کیا
 کرو جلد شادی کی تدبیر تم
 یہ سن کر ہوئی اور عجلت اسے
 کیا اس نے سب پنڈتوں کو طلب
 خوشی کی بھیجی نو بہتیں ہر طرف
 وہ گلپوش ماتھے بٹھائی گئی !!
 عجب وہ کبھی دلکش تھی دنیا میں رتا
 جدھر دیکھئے روشنی نور کی
 حویلی سے نوشاہ کے گھرتلک

خوشی کا ہے ساقی یہ کیوں زور آج
 بنا کب سے ہے میکدہ ناچ گھر
 خوشی کی یہ آئی گھڑی کب سے ہے
 زمانہ خوشی کا مسرت کا ہے
 رہی خوش دل اور نوشاہ یہ
 خبر اسکے آنے کی لے کر گیا
 بتایا رتن سین کا حال وہ
 ملے گا نہ ڈھونڈھے سے ہر طرح
 لگن کے دھرنے میں وقفہ ہے کیا
 نہ رکھو روا اس میں تاخیر تم
 رہی پھر نہ شورے کا حاجت اسے
 لگن پڑ گئی لطف کے ساتھ اب
 غم درخ دل سے ہوئے ہر طرف
 نظر سے چھپائی چھپائی گئی
 کہ جس شب کو تھی آئی والی ہرات
 ہر اک بام پر روشنی طور کی !
 بہت ہی سجائی گئی تھی سڑک

دکھاتے تھے کیا کیا یہ جو بن کنول
 تو رنگیں ادا میں دکھاتے تھے وہ
 شگفتہ تھا طرفہ چمن راہ میں
 وہ ہر دم کا آن کا مغوڑا تھا قہر
 وہ ان کی جفا کاریاں کیا کہوں
 لگاتی تھی آنکھوں میں کاجل کوئی
 لگا ہوں کی شمشیر تو لے ہوئے
 وہاں کام کرنا بھی مشکل ہوا
 نہ چین انکو دم بھر تھا پار کی طرح
 وہ چھپ تختیاں کافروں کی غضب
 دوالی کا کاجل لگا لے ہوئے
 ستم کوش سرمایہ ناز سب
 کوئی غارت جال کوئی دستاں
 جفا کار چٹوں سے بھی کچھ سوا
 وہ آنکھوں میں کاجل گھلاوٹ ساٹھ
 نزاکت لطافت میں سب پان
 ٹپکتا تھا جو بن اچھلتا تھا رنگ
 سیست الفت کے نشے سے سب
 بچاؤس سے بڑھ کے تو اس نے لیا
 وہ سچ دھج جدا وہ بناوٹ جدا
 گل اندام گلفام گلیوش سب
 نکلی سجیلی رنگیلی کوئی
 کسی دل کو کوئی نبھاتی کہیں

دو طرفہ برابر تھے روشن کنول
 ہوا سے اگر جھلملاتے تھے وہ
 وہ ہر جا تھے پر تو رنگ راہ میں
 محل وایوں کا بکھرنا تھا قہر
 خواصوں کی طیاریاں کیا کہوں
 مٹی مٹی مٹی شوخ چنچل کوئی
 کھڑی تھی کوئی بال کھولے ہوئے
 محل میں جو آیا وہ بسمل ہوا
 چمکتی تھیں ہر سو تارے کی طرح
 شرارت وہ ان شاطروں کی غضب
 مٹی کی دھڑی سب جما ہوئے
 میرا ادا شوخ طبع ناز سب
 کوئی ان میں نوخیز کوئی جواں
 تینیں اپنے جو بن سے بھی کچھ سوا
 خرام الکادہ اچلا ہٹ کیساٹھ
 وہ کھانا تکلف سے برآن پان
 شگفتہ تھا چہرہ اُبلتا تھا رنگ
 بہت زرق برق اور ٹھسے سے
 نہ دل ناز و عشوہ سے کس نے لیا
 ہر اک حور و ش کی سجاوٹ جدا
 قیامت بلا غارت ہوش سب
 کوئی بانگی ترچھی ریلی کوئی
 کسی سے کوئی سکراتی کہیں

بیاں کیا کروں اسکے سہرے کا نور
 وہ سہرا گل تر تھے جس پر نثار
 وہ سہرا دکھاتا تھا جو شانِ حُسن
 وہ سہرا کہ جس میں پڑی حُبانِ حقی
 وہ سہرا کہ آنکھوں کا جو نور تھا
 وہ سہرا کہ حورانِ جنت کی جاں
 وہ سہرا جو تھا باغِ پیرائے حُسن
 چمکتا تھا چہرے پہ وہ اس طرح
 مکان پر دہن کے جو آئی برات
 تو ہلچلِ حویلی کے اندر بڑی
 یہ پردہ نشینوں کا احوال تھا
 کہ تھیں بامِ رُعب چڑھیں شام سے
 کوئی جا کے ابھی درپے میں تھی
 خواصوں نے چپکے دہن سے کہا
 کہ یہ سیر بھی قابلِ دید ہے
 زلف و سرِ محو تما شاہیں سب
 یہ غل ہے کہ دیکھو بنے کا نکھار
 چلیں دیکھ لیں آپ بھی اک نظر
 ستایہ تو فوراً اٹھی وہ حسین
 ہوئی اک طرف جا کے وہ جلوہ گر
 لگی ڈھونڈھنے اپنے جانناز کو
 جو اک سمت اس نے اٹھائی نظر
 بڑا واقعی نور چہرے پہ تھا

کیا اس نے دو چند چہرے کا نور
 وہ سہرا کہ گوہر تھے جس پر نثار
 وہ سہرا جو کہتا تھا ہوں جاں حُسن
 وہ سہرا دہن جس پہ تیراں تھی
 وہ سہرا کہ جو گیسوِ حور بھتا
 وہ سہرا کہ تھا ساری زینت کی جاں
 وہ سہرا کہ تھا جلوہ آرائے حُسن
 شعاعیں رُخ مہرِ جس طرح
 پہنچ کر جو ہر سمت چھائی برات
 ہوئی اس کی اسوقت شہرت بڑی
 یہ ہر ایک کے شوق کا حال تھا
 نہ مطلب تھا ان کو کسی کام سے
 جی کوئی آکر جھروکے میں تھی
 یہ اس شاہدِ کلب دین سے کہا
 غنیمت ہے اور حاصلِ دید ہے
 تما شے میں ڈوبے سہرا ہیں سب
 دکھاتا ہے کس طرح سہرا بہار
 نہ ہم ہونے دیں گے کسی کو خستہ
 اسے ساتھ کوٹھے پہ وہ لے گئیں
 لگی کرنے چھپ چھپ کے ہر نظر
 قتیلِ اداس ہل ناز کو
 توحیراں وہ اس کو ہوتی دیکھ کر
 بڑا روپ پھولوں کے سہرے پہ تھا

کبھی چپ رہیں گنگائیں کبھی
 چلیں دو قدم پھر نور نے لگیں
 وہ غل شور آپس میں ٹکار کا
 وہ لڑکوں کا غل میہانوں کی دھوم
 برات آنے کے منظر کے سب
 سوار اتنے عرصہ میں دولہا ہوا
 پڑی چوب ڈنکے گر جنے لگے
 چلا کوئی گھوڑے پہ ہو کر سوار
 کوئی شان سے پانکی پر چپلا
 چلا شان کے ساتھ سارا جلوس
 تکلف سے نوشہ کے ساتھ چلے
 صدائیں وہ شہناکی پیاری بہت
 رواں آگے آگے وہ تخت رواں
 وہ پلٹن کی صف وہ سواروں کا غول
 وہ فوجیں الگ وہ رسالے الگ
 وہ ہر فوج کی ٹولی ٹولی الگ
 سماں آتش افروزیوں کا غضب
 چمکتے تھے ہر سواروں کے پھول
 اڑا ماہ کا رنگ ہستاب سے
 بلند اڑ کے اتنے غبارے ہوئے
 تماشاویں کا وہ ہر سو ہجوم !
 ہر اک ملک کے تاجور ساتھ ساتھ
 انھیں سب کے حلقے میں نوشاہ تھا

کبھی ہنس پڑیں مسکرائیں کبھی
 دم اپنی سجاوٹ کا بھرنے لگیں
 پریشاں وہ ہونا محسوس کا
 وہ گمانے کا چرچا دے تالوں کی دھوم
 اسی فیکر میں منتشر کے سب
 بڑا غل بڑا شور برپا ہوا
 ہر اک قسم کے باجے بجنے لگے
 چلا کوئی ہاتھی پہ کر کے نکھار
 کوئی بیٹھ کر ناکی پر چپلا
 بڑھا لطف سے وہ تاراجلوس
 بڑی شان سے ان کے ہاتھی چلے
 وہ آواز ڈنکے کی بھاری بہت
 وہ ان سب پیغمبر سرا رنگیاں
 جڈا سب وہ عہدہ داروں کا غول
 پیادے الگ باجے والے الگ
 وہ سجدہ صبح الگ اور وہ بولی الگ
 مزہ ان کی دلسوزیوں کا غضب
 لئے لئے تھے دل اناروں کے پھول
 ہوا آسمان رنگ ہستاب سے
 کہ گردوں یہ جا جاکے تارے ہوئے
 وہ آرائشوں کی سجاوٹ کی دھوم
 رئیسان عالی گہر ساتھ ساتھ
 ستاروں میں جلوہ فگن ماہ سہتا

وہ سامان تھا عیش خود دنگ تھا
 کہ دیکھا اسے جس نے حیراں ہوا
 کھڑا کر کے لوگوں نے تانا دہیں
 دماغ اس کا پہونچا دیا عرش پر
 کھڑا اس پہ شربت کا بھی دھردیا
 بنے کو بلا کر بھد کر وفر
 بنے کے مقابل بھٹائی گئی
 لگیں ہونے اب منتیں سب آدا
 مزے کی تھی ساعت مزے کی گھڑی
 خوشی پھٹ پڑی تھی عجب وقت تھا
 وہ پوشش ستم وہ سجاد ستم
 وہ سپرے کا عالم وہ سوہا لباس
 تجلی وہ گھونگھٹ میں رخسار کی
 لپٹ اس لطافت کی ہر سو ستم
 گلے سے لگانے کی حرمت غضب
 دلہن کی وہ زینت وہ صورت کی دھوم
 ہمیں نیک لینے میں رتی کوئی
 یہ وقت اور لوگوں کا دل لے گیا
 برہمن کچھ اشلوک پڑھنے لگے
 تو باقی نہ دل پر رہا اختیار
 برہمن پر وہت بھی چکرا گئے
 گلے کا وہ اپنے حسین ہار پھر
 مزے اپنے دکھلا دیئے چاہ کے

درون محل رنگ ہی اور مہتا
 یہ صحن حویلی میں سماں ہوا
 منکایا کوئی شامیانہ وہیں
 بچھایا پھر اک تخت اس فرش پر
 اسے خوب آراستہ کر دیا !!
 کیا صدر آرا پھر اس تخت پر
 دلہن بھی اسیدم بلائی گئی !
 لگی ہونے ہر ایک رسم اب آدا
 وہ اسدن کی بھی کیا تھی اچھی گھڑی
 عجب شہ گھڑی تھی عجب وقت تھا
 وہ پیاری دہن کی بناوٹ ستم
 وہ سب عطر میں اس کا ڈوبا لباس
 وہ دکش لپٹ پھول کے بار کی
 وہ ہاتھوں کی ہندی کی خوشبو ستم
 دہن کی وہ دولہا کو قریب غضب
 وہ ہر سو مبارک سلامت کی دھوم
 پنچھاور کی خاطر جھبگڑتی کوئی
 وہ گھٹ ہندھن ان کا سزہ دیگیا
 دُعا کے لیے لوگ بڑھنے لگے
 پھرے اٹھ کے باہر جو وہ سات بار
 یہ عالم ہوا لوگ غش کھا گئے
 دہن نے نزاکت سے اکبار پھر
 دیا ڈال گردن میں نوشاہ کے

وہ گھر وہوئی شیفنا اور بھی
 خواہیں بھی سب محصور ہوئیں
 وہیں سے بلائیں وہ لینے لگیں
 اتر آتی بھرواں سے شراب کے وہ
 وہ نوشہ ادھر زیب محفل ہوا
 ہوئی اس کی تعظیم و خاطر بڑی
 وہ مجلس بھی کیا لطف انگیز تھی
 سچے جھاڑ فانوس سے اس طرح
 بہا اس کی ہاتھوں بڑھاتی تھی دل
 بعب لور تھا شیشہ آلات پر
 بلائے تھے دو طائفے لور کے
 انھیں جس گھڑی ناز و انداز سے
 حد صر جھک پڑیں اک ستم ڈھا دیا
 کہیں رقص میں پاؤں جمتے نہ تھے
 کچھ ایسا اثر ان کے کانے میں تھا
 کہ حالت دلوں کی یہ تھی دل کی طرح
 بندھا تھا سرے کا سماں رقص میں
 زمیں پر نہ آہستہ ٹھوکر پڑی !!
 ہر اک کو ادا میں دکھانا انھیں
 کوئی شوخ سرمایہ ناز تھی
 کوئی ماہ سپیکر تھی محفل فریب
 جواں و حسین خوش گلو سب کی سب
 سب ارباب محفل ادھر و جد میں

ہوئی جان و دل سے نڈا اور بھی
 وہ سب نقش و لوار حیرت ہوئیں
 دُعائیں اسے مل کے دیئے لگیں
 چھپی چھپے محلے میں بھڑکے وہ
 بڑی شان و شوکت سے داخل ہوا
 مزہ اور بھی بڑھ گیا اسکھڑی
 بڑی دیکھ تھی دل آویز تھی
 کہ آراستہ ہو دہن جس طرح
 ہر اک چیز اس کی لٹھاتی تھی دل
 گماں روز روشن کا تھارات پر
 کہ جن کو ملے تھے گلے لور کے
 چلی راگنی پردہ ساز سے
 کلیجوں کو سینوں میں تڑپا دیا
 جگر نکلے آتے تھے تھمتے نہ تھے
 وہ جادو ہر اک کے بتاتے میں تھا
 تڑپتے تھے سب سرخ لبیل کی طرح
 نہ کرتی تھیں کبارنڈیاں رقص میں
 جو ٹھوکر پڑی وہ جگر پر پڑی
 دلوں کو لٹھانا رکھنا انھیں
 کوئی حاکم ملک انداز تھی
 کوئی نازنین دلربا دلفریب
 حسین نازنین دلربا سب کی سب
 سرچرخ زہرہ ادھر و جد میں

اسی بات کی دل کو حسرت ہوئی
 لپٹ کر دل آرام سے سوئے
 چنے موتیے کے ادھر نائے پھول
 دیا چھوڑ مضطر کو لا کر دیں
 اسے لیکے اب سب وہ اُوپر چلیں
 بڑے کروفر اور سامان سے
 قدم ناز کے ساتھ اٹھاتی چلی
 وہ تھوڑا سا گھونگٹ یکا لے ہوئے
 چلی لیکے غمزوں کا لشکر چلی
 چھروں سے جفا کار لڑتے چلے
 بھر اس وہ اُبھری ہوئی گات میں
 وہ قد اس کا آفت وہ پوشِ غضب
 بنیا روپ بازو پہ جوشن سے وہ
 وہ بے بوچھے منہ چوسنا بار بار
 وہ پھولوں کی پوروں میں کثرتِ ستم
 نمودار چیزیں چڑائے ہوئے
 وہ تشریف لائی جو اس ٹھاٹھ سے
 دل مضطرب ہاتھ سے کھو گیا
 وہ پہلو کی زینت بنائی گئی
 بہانے سے وہ کام کو ہٹ گئیں
 رکے اور چپ ردوں بیٹھے ہے
 ادھر آنکھ اُٹھی سر جھکا اس طرف
 ادھر شرم اس بُت کو گھیرے ہوئے

کہ لوٹ اس پہ سب کی طبیعت ہوئی
 کہ اس پر سرشام سے سوئے
 ادھر کچھ دھڑے اس پہ بلیے کے پھول
 بننے کو بھٹایا بلا کر وہیں
 خواصیں دھن کو بھی لسیکر چلیں
 چلیں اس کو لے کر بڑی شان سے
 چلی وہ سمن بر لُحبیانی چلی
 چلی منہ پہ سہرے کو ڈالے ہوئے
 ادا ناز کو ساتھ لے کر چلی
 ظلالی کڑے پاؤں پڑتے چلے
 لبوں پر تبسم وہ ہر بات میں
 وہ زلفیں وہ جوڑے کی بندشِ غضب
 لچکتا سلائی کا کنگن سے وہ
 وہ جھمکوں کا کچھ جھومنا بار بار
 وہ دستِ حنائی کی رنگتِ ستم
 بدن جا بجا سے چھپائے ہوئے
 وہ کلفام آئی جو اس ٹھاٹھ سے
 تو وہ منتظرِ قتل ہے ہو گیا
 بغل میں وہ اس کے بٹھائی گئی
 بٹھا کر اسے وال سے سب ہٹ گئیں
 وہ کچھ دیر خاموش پہلے رہے
 ادھر رعبِ حسن اور حیا اس طرف
 ادھر صبر منہ اس سے پھیرے ہوئے

جھکی پھر کر شدہ کے انداز سے
 لیا پہلے ہونٹوں سے اپنے لگا
 جو شربت دیا منہ لگا کر اسے
 غرض اس سے جب انکو فرصت ملی
 تو لو شاہ اندر سے رخصت ہوا
 دہن رخصت اتنے میں ہونے لگی
 ہوئی اسکی مال غم سے مضطر بہت
 خواہیں بھی سب اس کی رونے لگیں
 طلب نوشہ پھر گھر کے اندر ہوا !
 دہن کی سواری سنگائی گئی !
 مزے کی ہوئی رسم پھر کچھ ادا
 دہن پھر ہوئی پالکی میں سوار
 چلا لعل دگوہر لٹا تا ہوا !
 جہیز اس کو حد سے زیادہ ملا
 مکاں میں وہ آیا بڑی دھوم سے
 ہوئی فیکر آتے ہی اس بات کی
 کسی طرح باسے وہ دن کٹ گیا
 چمکنے لگا چرخ پر ماہ تاب
 اب ان کے لانے کا حیر چاہا ہوا
 نیا فرش اس میں بچھایا گیا
 تکلف سے سندھی سج دی وہیں
 وہیں خاصداں پاندال رکھ دیا !
 وہ نادر سہری بچھائی گئی !

کٹورے میں شربت لیا ناز سے
 دیا اس کو پھر اسکے منہ سے لگا
 نہ بھولا نرہ زندگی بھرا سے
 وہ زمیں ہوئیں ختم بہت سلی
 وہ پھر آ کے محفل کی زینت ہوا
 گلے سب ملیں کے رونے لگی
 وہ روئی گلے سے لگا کر بہت
 سب اس وقت جاں اپنی کھونے لگیں
 وہاں لطف پہلے سے بڑھ کر ہوا
 وہ دیوڑھی پہ لا کر لگائی گئی !
 بڑا لطف وہ وقت پھر دے گیا !
 چلا لے کے دو لھا بصد افتخار
 دل اپنا ہر اک کو دکھاتا ہوا
 کر دل کیا صراحت کہ کیا کیا ملا
 دہن بیاہ لایا بڑی دھوم سے
 کہ دن جائے آئے گھڑی رات کی
 اسے مضطرب دیکھ کر ہٹ گیا
 ہوا ہر طرف جلوہ گر ماہ تاب
 مرتب وہ کوٹھے کا کمرہ ہوا
 وہ عشرت کدہ اک بنایا گیا
 دھڑلا کے اک عطر داں بھی وہیں
 سجا ایک گڈال داں رکھ دیا
 وہ تو شک پہ حیا در لگائی گئی

پڑا ہے انگ ہار ٹوٹا ہوا
 وہ مٹی نہیں ہے وہ لاکھا نہیں
 ہیں بستر پہ روشن ستار پڑے
 وہ کافر بچائے ہوئے جال ہیں
 کوئی روتے روشن کے ہے ارد گرد
 تو ساتھ اسکے بل کھا گئی ہے کمر
 مسہری کے باہر ہے ٹسکا ہوا
 وہ گلیوش غنچہ دین جاگ اٹھی
 لگیں کرنے وہ دل لگی اس اب
 یہ پوشاک ہے ملگجی کس لئے
 یہ کاہکے ہیں نیلے نیلے نشان
 گئیں چوڑیاں ہاتھ کی ٹوٹ کیوں
 زرا روبرو لائے آر سی
 یہ کیوں ست گیا منہ ہوا رات کیا
 اسی طرح ہنستی ہنساتی رہیں
 لگیں جا کے اس حور کے کام میں
 نکل آئے چاند ابر سے حسب طرح
 بنی پھر بری، پھر قیامت ہوئی
 سچے اس نے پھر مارے گئے نئے
 کھلا اس پہ اس دن سنگار اس طرح
 لگا تیکھے منہ آئینہ بار بار
 وہ دولہا کھین ادکی جان شباب
 کمر تپلی تپلی تھی قہر اور بھی

سنگار اس حسیں کا ہے ٹوٹا ہوا
 وہ رنگ اسکے پتلے لبوں کا نہیں
 پریشاں ہیں انساں کے تار پڑے
 پریشاں کھل کر کندھے بال ہیں
 کوئی لٹ تو گردن کے ہے ارد گرد
 کھلی زلف جو پانگئی ہے کمر
 دوپٹا سینے سے کھسکا ہوا
 ہنسیں ب تو وہ گلبدن جاگ اٹھی
 لگیں چھیر نے اٹھتے ہی سب کی سب
 کہ چولی ہے مسکی ہوئی کس لئے
 پڑے ہیں یہ گالوں پہ کیسے نشان
 یہ ہاتھ کی انساں گئی چھوٹ کیوں
 لب سُرخی کی ہو گئی کیا مٹی
 بتائیں تو سرکار ہے بات کیا
 یوہیں دیر تک وہ ستاتی رہیں
 اسے لے گئیں پھر وہ حمام میں
 ہنادھو کے نکلی وہ بت اس طرح
 نئے سر سے پھر محو زینت ہوئی
 ہر اک کپڑے اس نکل لے پیئے نئے
 کیا جی لگا کر نکھار اس طرح
 کہ لینے لگا خود بلاتیں سنگار
 وہ دن جوش کے غغواں شباب
 لگا ہیں تھیں آسٹوب دہراور بھی

ادھر کچھ کچھ اس کا کھسکا غضب
 تھا مگر ادھر دلا گھونگٹ الٹا
 ادھر اس پہ تا کسید ہٹا نہ تو
 نہ اٹھنا اسی طرح ہاں اے نظر
 نہ ہونٹوں سے بالو کھٹنا ذرا
 ہنسی اس گھڑی تو نہ آنا کہیں
 ادھر کہہ رہی تھی وہ گلف نام یہ
 کہ چہرے سے گھونگٹ الٹ ہی دیا
 لگا کرنے خالق کی قدرت نظر
 اڑا ہوش اب اس پر بنار کا
 لگی کہنے تم کو ہوا ہے یہ کیا
 سنا تو یہ محبو بلاتی ہے کون
 اے در سے بھی تو لگی ہے کوئی
 غرض شب وہ یوں ہی بسو ہو گئی
 ہوئی صبح آئی گجر کی صدا
 ابھی تک جو تھے جگمگاتے ہوئے
 جو سوئی تھی جاننا ز صادق کے ساتھ
 ابھی تک ہے وہ بے خبر سو رہی
 بڑا حُسن بگڑے سنگاروں پہ ہے
 رتن سین سویا تھا بس دیسے ہی
 کہا اب ٹھہرنا سنا سب نہیں
 وہ بکھلا تو پہونچیں خواہیں وہاں
 یہ دیکھا کہ وہ خواب راحت میں

ادھر وہ سمٹا جھجکتا غضب
 نہ کہ اس میں اب دیر جھٹ پٹ الٹ
 خبردار گھونگٹ الٹا نہ تو
 نہیں اچھی یہ شوخیاں اے نظر
 حیا تو یہاں سے نہ ٹلنا ذرا
 مرے ہونٹوں کھل نہ جانا کہیں
 ادھر بڑھ کے اس نے کیا کام یہ
 اسے بڑھ کے اسے پلٹ ہی دیا
 لگا ہونے قربان اس حور پر
 کہ موقع تھا غل کا نہ فریاد کا
 تمہیں خیر تو ہے یہ کیا ہے یہ کیا
 یہ چوڑی بھی کبکی آتی ہے کون
 ہٹو جلد وہ دیکھتی ہے کوئی
 وہ سونے نہ پائے سحر ہو گئی
 چلی اڑ کے مرغ سحر کی صدا
 وہ تارے چلے جھللاتے ہوئے
 بسر کی تھی شب اپنے عاشق کیسا
 اسی طرح ہے اینڈ کر سو رہی
 بڑا لطف ان باسی ہاروں پہ ہے
 مگر آنکھ اس کی کھلی جلدی
 چلا آیا باہر وہ اٹھ کر وہیں
 ہوئی جمع سب اسکی، بمجولیاں
 بڑا فرق چہرے کی رنگت میں ہے

مری جان ترسا کے لینا نہ تھا
 جفا میں یہ اپنے دل افکار پر
 ہوا ناگت سے جدا جس گھڑی
 جگر آتش عشق سے بھنک گیا
 ہوا درد ایسا کہ غش کھا گئی
 وہ غش سے ہم آغوش پہر رہی
 کلیجے کا درد اسے جاتا نہ تھا
 تو خوں اس الم نے رلایا اُسے
 کہا ہائے اب میں کیسی ہوئی
 جدائی کا غم کچھ ادائی کا غم
 جگر میں سما کر لٹانے لگا
 بدن میں جو طاقت تھی رخصت ہوئی
 کیا دل میں گھر درد نے یا س نے
 سراپا ہوئی غم کی تصویر وہ
 غم و درد کا گھر جگر میں ہوا
 غم، سحر قطرے سے دریا ہوا
 وہ شوخی لگا ہوں سے کم ہو چلی
 سحر آنکھوں آنکھوں میں ہونے لگی
 وہ جینا جدائی کا دو بھر ہوا
 بکھلنے لگا اسکے منہ سے دھواں
 وہ جو بن جگر کے پھپھولے ہوئے
 وہ چکنے بھرے گال نوچے کبھی
 کبھی دل کو تھامے دباتے کبھی

دفا محکموں ہائے دینا نہ تھا
 رستم ہائے مجھ عاشق زار پر
 رتن سین جوگی ہوا جس گھڑی
 تو اس غم کی ماری کا جی رک گیا
 لگی چوٹ وہ دل پہ تیور اگتی
 وہ گلپیش بیہوش پہر رہی
 کسی طرح ہوش اسکو آتا نہ تھا
 جو گھنٹوں میں کچھ ہوش آیا اُسے
 اُسے قید خانہ حویلی ہوئی !
 رتن سیرا کر بے وفائی کا غم
 کلیجے کو ہر وقت کھانے لگا
 خفا بے سبب دل سے راحت ہوئی
 دیا چھوڑا اُمید نے اُس نے
 ہوئی درد فرقت سے دلگیر وہ
 زمانہ اندھیر نظر میں ہوا
 بڑھا درد دل جوش سودا ہوا
 ہوا جوش غم چشم نم ہو چلی
 سودا دن کے راتوں کو رونے لگی
 گراں سیر بن اسکو تن پر ہوا
 لگی کھینچنے آہ وہ ناتواں
 جو تھے پھول سے گال کو لے ہوئے
 وہ سلجھے ہوئے بال نوچے کبھی
 کبھی سر کو پکڑے جھکائے کبھی

بیاں کیا کروں رنگ کا روپ کا
 ہوئی شب تو پھر گرم خلوت ہوئی
 رہیں باتیں اس شب بہم دیر تک
 بتایا رتن سین نے حال سب
 کہ فرقت میں ٹرپائیں اس اس طرح
 کہا اس نے میری جو حالت رہی
 ہوا ہوگا ویسا نہ صدمائیں !
 تم آزاد تھے ڈر کسی کا نہ تھا
 ہوا غم تو جی کھول کر رو لیا
 اسی طرح دل کو سنبھالا کئے
 یہاں سخت آفت تھی میرے لئے
 مجھے باپ ماں کا تھا ڈر ہر گھڑی
 کبھی ڈر سے نالا نہ میں کر سکی
 رہی ہوش کے ساتھ بے ہوش میں
 کہا خواب کا سب وہ احوال پھر
 اسی لطف سے اب گزرنے لگی
 اسی سے رتن سین کو کام اب
 نہ فکر اب اُسے سلطنت کی رہی

رتن سین کی جدائی میں ناگت کا ٹرپنا پیسے کا خط لے جانا !

گیا مجھ کو ساقی کدھر چھوڑ کر
 طبیعت تری مجھ سے کیوں پھر گئی
 خفا ہو گیا مجھ سے تو کیس لئے
 کہاں جا کے بیٹھا ہے منہ موڑ کر
 وہ چاہت رکھا ہوں سے کیوں گئی
 گیا روکھٹا اے ہاں کس لئے

نہ وہ پتلے پتلے چھڑے رہ گئے
 نہ لپوروں میں چھلوں کی کثرت رہی
 جو چوٹی کھلی تو بلا سے کھلی
 کبھی عطر بھولے سے ملتی نہ تھی
 نہ مرنے کی پروا نہ جینے کا ہوش
 کلیجے پہ ہاتھ اس کے رہنے لگے
 نہ پلٹی بدن سے جو طاقت گئی
 کبھی درد دل سے وہ سوتی نہ تھی
 وہ گلفام پہ پیاں پڑتی نہ تھی
 بڑھادن دن اب ناتوانی کا زور
 تب ہجر سے زرد صورت ہوئی
 نہ کھانا نہ پینا نہ سونا پسند
 نہ انگلی سی چہرے کی رنگت رہی
 لب خشک پر آسے دم رہ گیا
 جگر ایک ٹھا اور غم سیکڑوں
 قلق دل سے منھ ٹوڑتا ہی نہ تھا
 لب لعل پر یہ سخن ہر گھڑی
 مرے ساتھ کی بے وفائی یہ کیا
 ڈلوتا ہے اشکوں کا حجالا مجھے
 مرا قصر دیراں ہے بے ترے
 نہ راہ اپنی ہے بے مروت دکھا
 مسہرے پہ تنہا رہوں کب تلک
 تر پنا اسے سے حبان کھونا اسے

نہ پاؤں میں چھاگل کڑے رہ گئے
 نہ ہاتھوں میں ہندی کی رنگت رہی
 نہ غم تھا جو چولی ہوا سے کھلی
 ہسینوں وہ کپڑے بدلتی نہ تھی !
 نہ کھانے کا اس کو نہ پینے کا ہوش
 جہاں کچھ کہا اشک بہنے لگے
 مسرت گئی دل سے راحت گئی
 لبوں سے جدا آہ ہوتی نہ تھی
 اسے نیند اک آن پڑتی نہ تھی
 گھٹا دن دن اس کی جوانی کا زور
 روی دن دن اب اس کی حالت ہوئی
 شب و روز تھا دل کو رونا پسند
 نہ وہ چاند سی اس کی صورت رہی
 سمار حبر میں وہ غم رہ گیا
 بھرے دل میں رنج و الم سیکڑوں
 کلیجے کو غم چھوڑتا ہی نہ تھا
 تڑپتی پہ دل کی جھلن ہر گھڑی
 کہ ظالم ترے دل میں آئی یہ کیسا
 ترے غم نے تو مار ڈالا مجھے
 جہاں مجھ کو سناں ہے بے ترے
 خدا کے لیے اب تو صورت دکھا
 جدائی کے خدے سہول کب تلک
 اسی طرح کہہ کہہ کے رونا اسے

خفا آپ ہی پر وہ ہونے لگی
مرے ساتھ کی رہنمائی سب نے ہائے
نہ غمزدن نے بھی ہائے روکا انھیں
چلے پیچ کچھ اس گسیونہ ہائے
کمر کر دھنی تو پکڑتی زرا
یہ منہ باندھے چنپا کلی کیوں رہی
نہ زنجیر نے پاؤں جگر ڈرا
نہ سینے پہ میرے چمک دو رہو
نہ رہ ناک میں نکتہ پڑی تو بھی اب
چمک تیری سبلی یہ بھاتی نہیں
گلے سے مرے تو بھی ہیکل نکل
سرک میرے بازو سے جوش زرا
بھلا چاند اب یہ مرے سر پہ کیوں
مری جوتیوں پر اسے تو ہے اب
مرے ٹھیکے پر آرسی تو بھی ہے
یہ ہل ہل کے لیتے ہیں اب جان کلی
زمین پر اُسے سر ٹپکنے سے کام
نہ زیور سے اس کو محبت رہی
دیا پھونک لچکے کو حبل کر بھی
کبھی لوح لپیتی تھی داماں کی بیل
ادھر پھینکیں کچھ ادھر پھینکیں
کبھی پھینک دیں بالیاں لوح کر
نہ بازو پہ سونے کے جوش ہے

چھڑی آنسوؤں کی ڈوبنے لگی
لگی کہنے کی دشمنی سب نے ہائے
کوششوں نے بھی کچھ نہ ٹوکا اسے
کیا کچھ نگاہوں نے یاد دہنہ ہائے
یہ یازیب تو پاؤں پڑتی زرا
یہ منہ دیکھتی آرسی کیوں رہی
نہ چوڑی نے بھی ہاتھ پکڑا زرا
چل اب یاں سے جگنی مرک دور ہو
نگلا چھوڑ دے پھلپڑی تو بھی اب
لٹاک تیری بھگن خوش آتی نہیں
مرے پاؤں سے تو بھی چھاگل نکل
کلائی مری چھوڑ کسنگن زرا
مرے سر کا بار اب یہ جھومر ہے کیوں
گراں تیری چھن چھن گھنگرہو اب
مرے دل کا داغ اب یہ جگنو بھی ہے
دکھاتے ہیں پتے مرے کال کیوں
اسی طرح ہر وقت بکنے سے کام
نہ پوشاک کی تدر و عزت رہی
دیا پھنک پٹکی کو مل کر کبھی
کبھی پھاڑتی تھی گریاں کی بیل
اگ چوڑیاں توڑ کر پھینک دیں
کبھی پھینک دیں کیل کچھ سوچ کر
نہ نازک کلائی میں کسنگن ہے

ہوا دیکھ کر اسکو صدمہ بڑا
 پھڑکنے لگا اسکے پاس اس طرح
 لیا گود میں اسنے اسنے اٹھا
 کہ چڑیلوں سے بھی دیکھا جاتا نہیں
 وہ چپ اس طرح ہاتھ میں اسکے تھا
 کہ دل تیرے غم کا مٹا دوں گا نہیں
 وہ سوچی عجب کیا یہ لیجائے خط
 وہ پاس اسکے اس پڑے گر پڑا
 گلے پر چلی ہو چھری جس طرح
 کہا ہائے یہ حال ہو بچا سرا
 دئے دیتے ہیں اپنی جان حزیں
 کہ گویا وہ اس سے تھا یہ کہہ رہا
 خبر تیرے پیارے کی لا دوں گا نہیں
 یہ جا کر مرا اسکو ہو بچائے خط

منگایا پھر اس نے قلمداں وہیں

لکھا اپنا حال پریشاں وہیں

ناگت کا خط

لکھا عاشق غائبانہ اُسے
 در بجز نا آشنا لکھا
 جفا کار حبلاد قاتل مرے
 محبت کے دشمن جفا آشنا
 کدھر رہ رہا مجھ کو ٹھما کے تو
 خبر اس کی کچھ خیریت تھی بھی ہے
 تیرے گھر سے تیرے مکان سے چلی
 چلی پھیر کر منہ جوانی سے وہ
 خطا کچھ نہ تھی اور سزا دی بڑی
 اے قہر کیا تو نے مجھ پر کیا
 کدھر دعوہ آشنا گیا
 کدھر وہ زبانی محبت گئی
 لکھاے وفاق زمانہ اُسے
 شہ کشور بے وفا لکھا
 لکھا اس کو اے راحت دل مرے
 ستمگر دل آزار نا آشنا !
 کہاں چھا رہا بیوفا جا کے تو
 تجھے بکر کچھ ناگت کی بھی ہے
 تری ناگت تو جہاں سے چلی
 چلی روٹھ کر زندگانی سے وہ
 اُسے ہائے تو نے دغا دی بڑی
 یہ کیا ظلم تو نے ستمگر کیا
 کہاں وہ اترا عید یاری گیا
 کدھر وہ تری جھوٹی الفت گئی

کسی دم جو وحشت سوا بڑھ گئی
 لگی کرنے ہر سو وہ سکلر و نظر
 نہ دل کی دہاں بھی جو وحشت گئی
 تو وہ پھر اثر آئی روتی ہوئی
 بنی سانس کے جان پر غم سے تھی
 وہ بیٹھے کا اسکوالم اک طرف
 روا اسکے دکھ کی وہ پاتی نہ تھی
 خواہیں بھی تھیں اسکی میراں بہت
 وہ بہلاتی تھیں گرچہ جی ہر گھڑی
 مگر دل کچھ اس کا بہتانا تھا
 غم دل سے اک روز گھبرا کے وہ
 کہ کچھ دیر پہلے جن ہی میں دل
 مگر وال بڑھا درد و غم اور بھی
 جلایا اُسے گرم نالے لے لے اور
 قلق یوں ہوا اس کے جی پر بنی
 مٹانے لگا شور بیل اُسے
 بڑا سنبل و گل سے صدمہ دیا
 اُسے پھول سے کمال یاد آ گئے
 جو دیکھا سماں سر و گلزار کا
 اُسے آنکھ اہل کر ڈوبنے لگی
 کہ پاؤں میں تیری خبر کس طرح
 نہیں کوئی اتنا کہ لیجائے خط
 وہ نیچے تھی جن پیر کے لوحہ گر

تو گھبرا کے کوٹھے پہ وہ چڑھ گئی
 لگی ڈھونڈھنے اسکو ہر سو نظر
 جو وہ چشم ترکی نہ رقت رہی
 تڑپتی ہوئی جان کھوتی ہوئی
 پریشاں وہ خستہ جگر غم سے تھی
 بہو کی جوانی کا غم اک طرف
 سمجھ میں کوئی بات آتی نہ تھی
 اسے دیکھ کر تھیں پریشاں بہت
 کیا کرتی تھیں دل دہی ہر گھڑی
 وہ کاٹنا جگر سے نکلتا نہ تھا
 لگی پھرنے گلزار میں جا کے وہ
 نگے نسترن یا سمن ہی میں دل
 لگی ڈھانے فرقت ستم اور بھی
 دے داغ پر داغ لالے لے لے اور
 نسیم جن دل کا نشتر بنی
 رلانے لگا خندہ گل اُسے
 نظر آ کے اور اسکو تڑپا دیا
 وہ سلجھے ہوئے بال یاد آ گئے
 تو یاد آ گیا اسکو قد یار کا
 یہ کہہ کہہ کے وہ حوروں نے لگی
 مٹے ہائے در جگر کس طرح
 راتجھ تلک جا کے پہنچائے خط
 پیسپا تھا بیٹھا اک اس پیر پہ

نہیں سو جتا کچھ کدھر جاؤں میں
 ستمگار تہوار آتا ہے روز
 نکھرتی ہیں ہر بار ہنجو لیاں
 وہ صدیوں کی ماری خوشی کیا کسے
 کہ جب گھر میں گھر کا اُحد
 کئے ہائے برسات تو سارے
 کشیں کس طرح زندگانی کے دن
 لگا پھل نہ نخل تمنا میں ہائے
 گئی رُت بدل پر نہ آئی بہار
 ہر اک سمت بادل برستا رہا
 یہ شادی مجھے راس آئی نہ ہائے
 لپٹ کر بہم کاش سوتی نہ میں
 وہ بہتر تھا رہتی جو اُعبال ہی
 یہ گڑیلوں کا سا بیاہ کس نے کیا
 گھڑی بھر کو تو میں سہاگن ہوئی
 لیون بن کے کنواری کی کنواری رہی
 نہ لذت ملی پیار کے چاہ کی
 کبھی تھی نہ نخل کی کلی جب تک
 کبھی وہ تو بلبل مریدا ہو گیا
 بلا کو تری جب تھمتا نہ تھی
 جواں جب ہوئی مجھے تو چھٹ گیا
 دغا گر مرے ساتھ کرتے نہ تم
 تو کا ہیکو ہوئی یہ حالت مری

یہ جی میں ہے کچھ کھما کے مر جاؤں میں
 مجھے آسے ظالم ستا تا ہے روز
 مناتی ہیں تہوار ہنجو لیاں
 وہ مغموم خوش اپنا جی کیا کرے
 لگا کر کئے سونے والا نہ ہو
 کئے چاندنی رات تو کس طرح
 جوانی کی راتیں جوانی کے دن
 رہی تشنہ لب پیچ دریا میں ہائے
 سراندیپ میں جل کے چھائی بہار
 مگر کھیت میرا ترستا رہا
 مسرت نے صورت دکھائی نہ ہائے
 گنگار دو دن کی ہوتی نہ میں
 نہ ہوتی یہ کچھ جاں پہچان ہی
 یہ رسوا مجھے ہائے کس نے کیا
 مگر خوش نہ کچھ میں اسجاگن ہوئی
 نہ دو روز بھی ہمکناری رہی
 مجھے مفت تہمت لگی بیاہ کی
 وہ بلبل کی پیاری رہی تب تک
 خفا اس سے وہ بے خطا ہو گیا
 نرکپن تھا کچھ تیری یہ وانہ تھی
 مرے شوق کا نالہ لٹ گیا
 جاسون سوکن پہ مرتے نہ تم
 پوچھتی یہ کا ہیکو تو رست مری

یہی مجھ سے چاہت کا اظہار تھا
 ہوئے تھے جو وعدے بہم کیا ہوئے
 یہ بے اعتنائی مناسب نہ تھی
 جفا میں یہ جاننا زہادق کے ساتھ
 کھلا کچھ بھی مطلب نہ اسکا مجھے
 کسی روز دل کو نہ راحت ملی
 دئے دانت لیکن کھلایا نہ کچھ
 دیا دل تو اسکو مسرت نہ دی
 پریشاں ہمیشہ چمن میں رہی
 گھٹائیں بہت آئیں چھائیں گئیں
 بہم ببل و گل ملے باغ میں
 مزے جشن ہر ہر مکان میں ہوئے
 سلی پہ نہ دل کی کھلی ایک دن
 خوشی مجھ کو ہوتی بھلا کس طرح
 بھلا کون دکھ پائے روتا نہیں
 ملے ڈالتا ہے سلیجیا کوئی
 نہ کیا کیا سلیجے پہ صد ماہوا
 نہ کیا کیا کیا چاندنی رات نے
 زمیں پھر گئی آسماں پھر گیا
 تری جیسی صورت تھی سیرت نہ تھی
 بہت تو نے یہ کام بے جا کیا
 مکان میں اکیلی رہے اس طرح
 بس کس طرح زباناں کروں

یہی مجھ سے اُلفت کا اقرار تھا
 وہ اقرار و قول قسم کیا ہوئے
 تجھے بیوفائی مناسب نہ تھی
 یہ بے مہرباں مجھ سے عاشق کے ساتھ
 جہاں میں یہ کیوں پائے بھیجا مجھے
 مجھے تو نہ دنیا کی لذت ملی
 مجھے آنکھیں دیکر دکھایا نہ کچھ
 گھڑی بھر کی بھی مجھ کو راحت ملی
 اکیلی بھری انجمن میں رہی
 بہاریں بہت گرچہ آئیں گئیں
 بہت غنچہ و گل کھلے باغ میں
 تماشے ہزاروں جہاں میں ہوئے
 نہ راحت مجھے پر ملی ایک دن
 لکھا تو مقدر میں تھا اس طرح
 زمانے میں غم کس کو ہوتا نہیں
 مگر ہوگا مضطر نہ کچھ سا کوئی
 نہ پیچھے ترے پائے کیا کیا ہوا
 کیا کیا نہ آکے برسات نے
 پھر مجھ سے تو کیا جہاں پھر گیا
 تجھے مجھ سے کچھ پائے اُلفت نہ تھی
 اے بیوفا تو نے یہ کیا کیا!
 بتا تو یہ غم سہوں کس طرح
 بنا تیرے کیوں مگر جوانی کروں

نہیں سو جتا کچھ کدھر جاؤں میں
 ستمگاہ تہوار آتا ہے روز
 نکھرتی ہیں ہر بار ہنجو لیاں
 وہ مدھول کی ماری خوشی کیا کرے
 کہ جب گھر میں گھر کا اُحد
 کئے ہائے برسات تو سارے
 کٹھیں کس طرح زندگانی کے دن
 لگا پھل نہ نخل تمنا میں ہائے
 گئی رُت بدل پر نہ آئی بہار
 ہر اک سمت بادل برستا رہا
 یہ شادی مجھے راس آئی نہ ہائے
 لپٹ کر ہم کاش سوتی نہ میں
 وہ بہتر تھا رہتی جو اُخبال ہی
 یہ گڑلوں کا سا بیاہ کس نے کیا
 گھڑی بھر کو تو میں سہاگن ہوئی
 لیکن بن کے کنواری کی کنواری رہی
 نہ لذت تھی پیار کی حیا کی
 کھلی تھی نہ گل کی کلی جب تک
 کھلی وہ تو بلبل مسدا ہو گیا
 بلا تو تری جب تشنا نہ تھی
 جواں جب ہوئی مجھے تو چھٹ گیا
 دغا کر مرے ساتھ کرتے نہ تم
 تو کا ہیکو ہوتی یہ حالت مری

یہ جی میں ہے کچھ کھما کے مر جاؤں میں
 مجھے آکے ظالم ستاتا ہے روز
 مناتی ہیں تہوار ہنجو لیاں
 وہ مغموم خوش اپنا جی کیا کرے
 لگا کر گئے سونے والا نہ ہو
 کٹے چاندنی رات تو کس طرح
 جوانی کی راتیں جوانی کے دن
 رہی تشنہ لب پیچ دریا میں ہائے
 سراندیپ میں جل کے چھائی بہار
 مگر کھیت میرا ترستا رہا
 مسرت نے صورت دکھائی نہ ہائے
 گنہگار دو دن کی ہوتی نہ میں
 نہ ہوتی یہ کچھ جال پیچان ہی
 یہ رسوا مجھے ہائے کس نے کیا
 مگر خوش نہ کچھ میں ابھاگن ہوئی
 نہ دو روز بھی ہمکناری رہی
 مجھے مفت تہمت لگی بیاہ کی
 وہ بلبل کی پیاری رہی تب تک
 خفا اس سے وہ بے خطا ہو گیا
 لڑکپن تھا کچھ تیری پروا نہ تھی
 مرے شوق کا فائدہ لٹ گیا
 جہاں سوکھن پہ مرتے نہ تم
 پوچھتی یہ کا ہیکو تو کس مری

یہی مجھ سے چاہت کا اظہار تھا
 ہوئے تھے جو وعدے بہم کیا ہوئے
 یہ بے اعتنائی مناسب نہ تھی
 جفا میں یہ جاننا زادق کے ساتھ
 کھلا کچھ بھی مطلب نہ اسکا مجھے
 کسی روز دل کو نہ راحت ملی
 دئے دانت لیکن کھلایا نہ کچھ
 دیا دل تو اسکو مسرت نہ دی
 پریشاں ہمیشہ چمن میں رہی
 گھٹائیں بہت آئیں چھائیں گئیں
 بہم بلبل و گل ملے باغ میں
 مرنے جتن ہر ہر مکان میں ہوئے
 کلی پہ نہ دل کی کھلی ایک دن
 خوشی مجھکو ہوتی بھلا کس طرح
 بھلا کون دکھ پائے روتا نہیں
 ملے ڈالتا ہے سلیجا کوئی
 نہ کیا کیا سلیجے پہ صدا ماہوا
 نہ کیا کیا کیا چاندنی رات نے
 زمیں پھر گئی آسمان پھر گیا
 تری جیسی صورت تھی سیرت نہ تھی
 بہت تو نے یہ کام بے جا کیا
 مکان میں اکیلی رہ کر کس طرح
 بس کس طرح زندہ رہاں کروں

یہی مجھ سے اُلفت کا اقرار تھا
 وہ اقرار و قول قسم کیا ہوئے
 تجھے بیوفائی مناسب نہ تھی
 یہ بے مہربانی مجھ سے عاشق کے ساتھ
 جہاں میں یہ کیوں پائے بھیجا مجھے
 مجھے تو نہ دنیا کی لذت ملی
 مجھے آنکھیں دیکر دکھایا نہ کچھ
 گھڑی بھر کی بھی مجھکو راحت نہ دی
 اکیلی بھری انجمن میں رہی
 بہاریں بہت گرچہ آئیں گئیں
 بہت غنچہ و گل کھلے باغ میں
 تماشے ہزاروں جہاں میں ہوئے
 نہ راحت مجھے پر ملی ایک دن
 لکھا تو مقدر میں تھا اس طرح
 زمانے میں غم کس کو ہوتا نہیں
 مگر ہوگا مضطر نہ کچھ سا کوئی
 نہ پیچھے ترے پائے کیا کیا ہوا
 کیا کیا نہ آ کے برسات نے
 پھر مجھ سے تو کیا جہاں پھر گیا
 تجھے مجھ سے کچھ پائے اُلفت نہ تھی
 اے بیوفا تو نے یہ کیا کیا !
 بتا تو یہی یہ غم سبھوں کس طرح
 بتا ترے کیوں کر جوانی کروں

رتن سین کا خط

مری شیفۂ رازدار قدیم
 نزاکت کی تصویر جوی کی پھول
 مری مبتلا اور عاشق مری
 جدائی کی میری رستائی ہوئی
 مری جاں تمہارا جگر دوزخ
 نہایت نفیس اور اچھا لکھا
 مجھے دال سے قاصد نے لاکر دیا
 کیا اسکے فقروں نے خنجر کا کام
 کیا مجھ کو غم ناک ہر لفظ نے
 جو کچھ تم نے لکھا ہے بیجا نہیں
 کرے گانہ یوں کج ادائی کوئی
 اسی سے تو سرور گریاں ہونیں
 لجاتا ہوں میں منہ دکھاتے ہوئے
 مرا جرم بخشو خدا کے لئے
 تمہاری قسم جب سے آیا ہے خط
 نرپتیا ہوں میرا بُرا حال ہے
 قرار اک گھڑی دل کو آتا نہیں
 تمہیں دیکھوں اب آرزو ہے یہی
 مری جان لکھی ہو سوکن جسے
 تمہاری بہت ہی وہ مشاق ہے

مری سہریاں غمگسار قدیم
 چنبلی کی کونپل چنبلی کی پھول
 ہمیشہ کی غنچہ وار صادق مری
 غم ہجر کی بے پلائی ہوئی
 غم اندوز جاں نگاہ دلسوز خط
 انھیں نرم نرم انگلیوں کا لکھا
 غم و درد کا محب کو دفتر دیا
 کیا غم کے لفظوں نے نشتر کا کام
 جگر کو کیا چاک ہر لفظ نے
 تمہارا جو شکوہ ہے بیجا نہیں
 نہ یوں دے گا داغ جدائی کوئی
 جمل ہوں پشیمال ہوں نالا ہوں
 بہت شرم آتی ہے آتے ہوئے
 معاف اب کرو کبریا کے لئے
 پیسے سے جدم سے پایا ہے خط
 بہت ہی ردی دل کا احوال ہے
 تمہارا قلق دل سے جاتا نہیں
 ان آنکھوں کو اب جو ہے یہی
 روانہ ہوا یاں سے عرصہ نہیں
 سمجھتی ہو قسم اپنا دشمن جسے
 جدائی تمہاری اسے شاق ہے

ہوا خیر جو کچھ مشیت میں تھا
یہاں تک مجھے اب ہے نا ضرور
میرے تقدیر و قسمت میں تھا
لیوں پر ہے دم شوق دیدار میں
مجھے شکل ہے اب دکھا نا ضرور
نہ چھوڑا اب مرا ساتھ بہر خدا
پڑی ہے مری ناؤ مسجدھار میں
پکڑ لے مرا ہاتھ بہر خدا

یہ خط لکھ چکی جب وہ اندو گیں
وہ خط داں سے لیکر پیٹیا اڑا
دیا پر میں باندھ اسکے اس نے وہیں
کئی روز جب وہ سفر کر چکا
ہوا پر اسی رخ وہ سیدھا اڑا
تو پہونچا دیا جا کے وہ نامہ بر
جو طے راہ میں بحر و بر کر چکا
وہاں سے جو اس نے لیا کچھ پتا
ٹرا قنبر شاہی کی چھت پر اتر
فقط تھا وہی اور وہ نہ جبین
تو کوٹھے ہی پر وہ تھا روت فزا
یہ موقع غنیمت جو آیا نظر
وہی اس کے پیلوں میں تھی ہمنشین
تو آ بیٹھا اڑ کر وہیں ہاتھ پر
وہ حیرت میں آیا اُسے دیکھ کر
تو لکھا ہوا ناگت کا وہ تھا
نکل آئے آنسو اُسے دیکھ کر
معا لیکے اس خط کو اس نے پڑھا
ترد و بہت بدینی کا بڑھا
اسی نے یہ اس طرح بھیجا ہے خط
گئی وہ سمجھ ناگت کا ہے خط
اور آنکھوں سے کالوں پھل آئے اشک
ہوئی وہ بھی پیچود نکل آئے اشک
گزر جائے گی ورنہ وہ غنچہ لب
لگی کہنے چلنا فروری ہے اب
کہ ملتا ہوں میں آسے اب جلد ہی
جواب اس کا تم ان کو لکھ دو ابھی

اسے ضبط کی اب نہ خودی تھی تاب

لکھا اس نے اس طرح اس کا جواب

وہ رورو کے جان اپنی کھونے لگا
 گیا ہے گزرا ب زمانا بہت
 خدا جانے وال کیا گئی ہو گزر
 خوشی سے مجھے اب اجازت ملے
 پھر آ کر یہ صورت دکھا جاؤں گا
 خوشی سے اُسے کی اجازت عطا
 رہا وہ نہ دہشتگی شہر کی
 بسی آ کے افسردگی شہر میں
 تو ہر سمت برپا قیامت ہوئی
 منہ اشکوں سے رورو کے تھوتی تھی
 چراغوں پہ داغ جگر کا گھماں
 جدھر جائے حسرت و غم اُدھر
 جکتے تھے تارے بجھے دل کی طرح
 کنبھی آہ کش اشک افشاں کنبھی
 ہزاروں جگہ شوق دل زار تھا
 بڑا کر رہا تھا رستم دردِ بحر
 جگر سے وہ پہونچا کمر میں کنبھی
 بڑا جوشِ رقت کا تھا قصر میں
 جسے دیکھتے اس کو رونے سے کام
 بڑا زور دردِ نہانی کا تھا
 اسے حین دم بھرنے تھا دل کی طرح
 سلجے کو پکڑے یہ بکیتی تھی وہ
 جہاں سے گئی شادمانی مری

رتن سین یہ سن کے رونے لگا
 کہا گھر ضروری ہے جانا بہت
 بہت دن سے پائی نہیں کچھ خبر
 مجھے گھر کو جانے کی رخصت ملے
 اگر زندگی ہے تو پھر آؤں گا !!
 یہ سن کر نہ کچھ اس سے وہ کہہ سکا
 اسی دن سے رونے لگی شہر کی
 ادا سی برسنے لگی شہر میں
 عیاں جب شب صبحِ فرقت ہوئی
 یہ عالم تھا شبنم سے روتی تھی رات
 ستاروں پہ تھا چشمِ تر کا گھاں
 جدھر دیکھتے غم کا عالم اُدھر
 فلک کو نہایت تھی قائل کی طرح
 مکالوں میں شمعیں پریشاں کنبھی
 بڑے غم میں راجہ گرفتار تھا
 زرا کنبھی نہ لیتا تھا دم دردِ بحر
 کنبھی دل میں چمکا جگر میں کنبھی
 تلاطم قیامت کا تھا قصر میں
 کسی کو نہ اس شب تھا سونے سے کام
 بہت ہی بُرا حال رات کا تھا
 تڑپتی تھی وہ مرغِ ہسمل کی طرح
 سراپا ز میں پرستکتی تھی وہ
 کہ اب ہو چکی زندگانی مری

حجت کا دم یاں سے بھرتی ہے وہ تمہیں بندگی عرض کرتی ہے وہ

جواب اس کے نامے کا لکھ کر ہی
 رکھا پھر نہ وال سے پیہیا چلا
 سفر کی وہ سب سختیاں جھیل کر
 وہ نامہ اسے اس نے لا کر دیا
 ہوتی دیکھ کر خط تسلی اُسے
 مگر دل کو سوکن کا بھایا نہ ذکر
 دیا پر میں باندہ اسنے بھی ویسا ہی
 جواب اس کا پاتے ہی سیدھا چلا
 کڑی جھیل کر جان پر کھیل کر
 تپ غم کا تعویذ لا کر دیا
 ہر اک لفظ نے دی تشفی اُسے
 پسند اپنے ساتھ اسکا آیا نہ ذکر

رتن سین کا سراندر یک رخصت ہونا

پریشاں ہے ساقی طبعیت مری
 بس اب میکے سے دل اکٹا گیا
 تمنا ہے پھر اب سفر کی مجھے
 روانہ وہ خطا کر چکا جب ادھر
 کیا پدہنی نے یہ ماں سے بیاں
 ہوتی بدحواس ایسی گھبرا کے وہ
 کہ پداوتی تو یہاں سے چلیں
 رتن سین گھراں کو لے کر چلے
 بہت غمناک وہ بھی سُن کر ہوا
 رتن سین کو پھر بلا کر کہتا !!
 کہ بڑا چلے کیوں یہ مخم موڑ کر
 قلق تم کو اس سلطنت کا نہیں
 بھلا سلطنت یہ سلجھائے لگا کون
 ستاتی ہے اب مجھ کو حجت مری
 راجی بہت یاں سے گھبرا گیا
 ستاتی ہے اب یاد گھر کی مجھے
 تو پھر کر دیا اس نے قصد سفر
 یہ سن کر ہوتی غم سے وہ نیم جاں
 لگی کہنے راجہ کو بلوا کے وہ
 خفا ہو کے میرے مکاں سے چلی
 ہمیں داغِ فرقت کا دیکر چلے
 بہت ہی اثر اس کے دل پر ہوا
 یہ سینے سے اپنے لگا کر کہتا
 چلے کس پہ یہ سلطنت چھوڑ کر
 کوئی وارث اس سلطنت کا نہیں
 یہ کل کام اب دیکھ لگا کون

خواصیں بھی ساتھ اس جیس تھیں
وہی کل تھا سامانِ عیش و طرب
چلے منزلیں طے وہ کرتے ہوئے
چلے دم سفر کا وہ بھرتے ہوئے

رتن سین کا طوفان میں آجانا

نہ کر سا قیادیر سا غر اٹھا
اٹھا کشتی نے کا سنگر اٹھا
بڑے جوش پر مے کا دیار ہر آج
ہر اک لہر موج نہ کیا کیا ہے آج
بط مے ہے کیا تیرتی ہر طرف
گٹھا بھی ہے کیا اٹھ رہی ہر طرف
دکھائے وہ دریادلی تو بھی آج
کہیں مے کی کشتی نہ چل کر رُسے
چلا جب رتن سین سوئے وطن
تو اک روز اک شہر آیا نظر
اسے لے چلی آرزوئے وطن
لب ساحل اب اس کا خمیہ پڑا
گیا واں جہاز ان کا آکر ٹھہر
کئی دن رہا وہ اقامت گزیں
کہ موقع تھا وہ لطف افزا بڑا
ہوئے وال کے ملاح یہ خواستگار
پسند آگئی اس کو وہ سر زمیں
کہ سیر ایک منظر کی کر لیں حضور
کہ اس بات کے ہم ہیں امیدوار
یہ منظر ادھر ہے بہت دلکشا
چلیں سیر کرتے ہوئے تھوڑی دُور
سوا اسکے ہے خوب بجز اسجا
ہوا اس کے مشتاق وہ ذی وقار
فقط آپ تھا اور وہ نازنین
وہ سحر اٹھلا ان کو لیکر چلا
بچے چار تھے اب نہ دن تھا سوا
سمندر مگر زور پر تھا بہت
ترود سے یہ سیر خالی نہ تھی
اٹھا میں گئے سرکار پورا نزا
زمانہ بھی ہے ایک کمر اسجا
ہوا پدینی کو وہ لیکر سوار
خواصیں بھی ہمراہ اسکے نہ تھیں
بڑے لطف سے سوئے منظر چلا
بڑی لطف سے چل رہی تھی ہوا
یہ تفریح وہ روز والی نہ تھی
ہر اک موج تھی شور افزا بہت
یہ تفریح وہ روز والی نہ تھی

بڑا تو نے دھوکا دیا بد منی
 کہاں روٹھ کر مجھ سے پیاری چلی
 دیا مجھ کو داغِ جگر کس لئے!
 ہوئے ظاہر تنے میں آثارِ صبح!
 رتنِ سین نے اپنی باندھ لی کمر
 وہ بتِ رخصت اک اک سے ہو گئی
 عجب غم کا اس وقت سامان تھا
 درِ قصر پر مجمعِ عام تھا
 یہ کہتے تھے سب بد منی جی چلی
 بسا تھا جو گھر وہ اجڑتا ہے آج
 سنبھالے گی دل اس کی ماں سیرِ طرح
 ہوئی اتنے میں وہ گل تر سوار
 گری ہو کے بیہوش ماں خاک پر
 جہاں تک تو خشکی کا تھا راستا
 ہوئے جب سوار اور چلا وہ جہاز
 کہ وہ گر پڑا تھام کر دل وہیں
 گیا ٹوٹ دل کم نظر ہو گئی
 پکارا چلے میرے پیار و کدھر
 چلے تم ہمیں نیمِ حسان چھوڑ کر
 تمہارا نگہاں خدا پر گھڑی
 چلا الغرض وال سے کھل کر جہاز
 چلے وال سے دونوں بڑی شان سے
 چلے کچھ عوام ان لشکر بھی ساتھ

سرے ساتھ یہ کیا کیا بد منی
 کدھر رہے تیری سواری چلی!
 اجڑا میرا تو نے گھر کس لئے
 کھلا گیسوشپ سے رخسارِ صبح
 کہ ساعتِ حق رخصت کی وقتِ سحر
 گلے مل کے سب سے وہ رونے لگی
 جسے دیکھئے وہ پریشان تھا
 قیامت کا اس وقت مہرام تھا
 جو رونے سرانہیپ کی تھی چلی
 بنا شہر کیا بگڑتا ہے آج
 جڑے گی وہ اب نیم جاں کس طرح
 چلی خون روتی ہوئی دلِ نکار
 گیا دل الٹ، ہو گیا شقِ جگر
 چلا آیا باپ اس کا روتا ہوا
 تو اس کا بڑھالیوں غم جاں گداز
 تڑپنے لگا شکلِ بسمل وہیں
 ہوا غم وہ دہری کم ہو گئی
 چلے میری آنکھوں کے تار و کدھر
 چلے تم ہماری کمر توڑ کر
 وہی حافظ درہنما پر گھڑی
 اٹھا کر بڑھا اپنا لشکر جہاز
 بڑے کروفر اور سامان سے
 ہوئے حیدر حیدر کچھ افشہ بھی ساتھ

خُدا جانے یہ جلوہ انگن ہے کیا
یہ اتنی کوئی حور پانی میں ہے
یہ سورج تو پانی میں اُترا نہیں
گیا دن گزر ہو گئی رات کیا
اس اثنایں وہ شے قریب آگئی
بڑھیں وہ کہ دکھیں تو کیا چیز ہے
گیں تو وہ شے انکو آئی نظر
کوئی حور اس کو بتانے لگی
کہا اک لے احمق ہو انسان ہے
کہا ایک نے جان تو ہے ابھی
وہ سردار بولی نکالو اسے
نہ عرصہ کہد خیر کا کام ہے
غرض سب نے بل کر نکالا اسے
وہ سب اس کی حالت پر نہ لگیں
وہ جلدی سے دیتیں اُسے کیا اڑھا
اُسے دیر تک وہ دبائے رہیں
تھک رہے وہ حالت ہوئی
گئی اُٹھ کے بیٹھ ایک تھک چکا
نظر آئیں کچھ اجنبی عورتیں
لگی روکے کہنے ہے راجہ کدھر
پڑی ہوں میں آکر یہاں کس طرح
وہ روئیں بیاں اس کا سرکہ بہت
انھیں اور بھی یہ یقین ہو گیا

یہ اس وقت پانی میں روشن ہے کیا
کہ یہ جلوہ طور پانی میں ہے
مگر وہ تو تابندہ اِستِ انہیں
نکلتا ہے کیا چاند ہے بات کیا
کنائے وہ بہتی ہوئی آ لگی
یہ کون ایسی جلوہ نما چیز ہے
جسے دیکھ کر تلمسلائی نظر
پری ہے یہ شرط اک لگانے لگی
مگر ہائے افسوس بے جان ہے
کوئی دم کی بہان تو ہے ابھی
جو جان اکسین ہے تو سنبھالو اسے
کوئی شاہزادی یہ سگفام ہے
لٹا کر زمیں پر سنبھالا اسے !
فدا اس کی غربت پہ ہونے لگیں
دو پٹا دیا اپنا اپنا اڑھا
کلیجے سے اپنے لگائے ہیں
ٹھکانے کچھ اس کی طبیعت ہوئی
لگی نکلنے منہ سب کا حرکت ساتھ
قریب اپنے دیکھا نئی عورتیں
خواصیں بھی آتی نہیں ہیں نظر
یہ تم مجھ کو گھیرے ہو کیوں اس طرح
لگی اچوٹ ان کے دل پر بہت
کوئی شاہزادی ہے یہ نہ لقا

بالآخر یہی ان کو آیا نظر !!
 یہ اثر سے آندھی کا طوفاں اٹھا
 پریشان سب ناخدا ہو گئے
 سمندر میں ایسا تلاطم ہوا
 ہر اک کے بدن کا لہو گھٹ گیا
 وہ بھرا جوتھا خشک پتا ہوا
 تباہی میں آخر وہ پڑی گیا
 ہوا ٹکڑے ٹکڑے جگر کی طرح
 وہ فرحت وہ صحبت ہوئی برطرف
 وہ بہت ایک تختے پہ بہتی ہوئی
 کنائے بہت دور حبا کر لگی
 وہ ٹالو تھا اک مرد درد لیش کا
 بڑا حق پرست اور طاعت گزار
 ہر اک شے کو دل سے جھٹکا ہوئے
 مکال اپنا تھا وہ بنائے وہیں
 وہ رکھتا تھا اک دختر عابدہ
 لب ساحل اس روز آئی تھی وہ
 ٹہلتی تھی، سمجھ لیوں کو لئے
 وہ لطف طرب خیز دمساز شا
 وہ ٹھنڈی ہوائیں وہ پانی کا لطف
 یہ اتنے میں پانی میں آیا نظر
 کہا اس نے دیکھو جھکتا ہے کیا
 وہ حیرت میں آئیں اُسے دیکھ کر

غبار آیا اک سمت چھایا نظر
 کہ بردل سے دو پریشاں اٹھا
 اڑا رنگ چہروں سے گھبرا گئے
 کہ آیا ہوا ہوش بھی گم ہوا
 دلوں کی طرح بادباں پھٹ گیا
 گیا نیچے پھر اوٹھ کے اونچا ہوا
 کسی کوہ سے جا کے لڑی گیا
 گئے ڈوب وہ سب گہر کی طرح
 رواں تختہ تختہ ہوا ہر طرف
 اذیت سمندر کی سہتی ہوئی
 مگر اک جزیرے میں آکر لگی
 عمل تھا وہاں اس حفاکیش کا
 بڑا مستی اور شب زبہ دار
 خدا کی طرف لو لگاے ہوئے
 اسکے تعلق تھی وہ سرزمین
 بڑی پار کا صالحہ، ساجدہ
 چمکے سیر تشریف لائی تھی وہ
 دل اپنا تھی اس سیر کو وہ دیے
 وہ دن کی تمامی وہ آغاز شام
 وہ پانی کی دلکش روانی کا لطف
 کوئی شے چمکتی ہے آتی ادھر
 یہ رہ رہ کے ہر دم جھکتا ہے کیا
 کہا کام کرتی نہیں ہے نظر

تو پتھر سے پانی اُبلنے لگے
 قبول اس کی بار سے دُعا ہوگئی
 بڑھا اس کی رحمت کا دریا وہیں
 جہاں بدینی کا تھا تختہ لگا
 معاً وال سے اسکو اٹھائے لوگ
 وہ درویش پہچان اسکو گیا
 جو سنبھلا وہ کچھ تب یہ اس سے کہا
 وہ گل تو مرے گھر میں بہاں ہے
 وہ یہ سن کے منہ اس کا تنکنے لگا
 خبر اس کی جس وقت اندر ہوئی
 تو مارے خوشی کے وہ گھبرا گئی
 جو وہ با خدا اس سے ماہر ہوا
 نظر کر کے یا ہم وہ رونے لگے
 کہا بے چپ ہو خدا کے لیے
 جگمگاہ اب تمہیں خوش یہ ہونے کی ہے
 غرض انکے دل کا وہ غم مٹ گیا
 وہ لشکر وہ کل اسکی فوج و سپاہ
 بڑی قدر کی ان کی درویش نے
 بہت روز بہان رکھا انھیں
 وہ درویش کی دخت پرار سا
 وہ چلنے کے وقت انکے ٹرپی بہت
 کڑھا ان کی فرقت میں درویش بھی
 بڑی قدر کے ساتھ رخصت کیا

جو ریتی بھی ہوناؤ چلنے لگے
 قبول اس کی وہ التجا ہوگئی
 رتن سین بھی بہہ کے پہونچا وہیں
 وہیں یہ بھی بہتا ہوا آگ لگا
 لئے پاس درویش کے آئے لوگ
 وہ اچھی طرح جان اسکو گیا
 کہ بیٹا نہ کر دل میں تو غم ذرا
 مرا گھر کا گھر اس پہ قربان ہے
 کہ مجھ سے یہ درویش کہتا ہے کہا
 جو آگاہ وہ سحر سپکر ہوئی
 تڑپ کر در قصر پر آگئی
 تو وہ خود اسے لیکے حاضر ہوا
 وہ پھر جانیں رو رو کے کھونے لگے
 نہ اب روڈ شتم کبریا کے لیے
 کہ بیابان ہو ہو اسے رونے کی ہے
 وہ صدمہ مٹا وہ الم مٹ گیا
 یہیں آئے پہنچے بحال تباہ
 خوشی کی بڑی اس صفائش نے
 دکھایا وہ منظر وہاں کا انھیں
 بہت ہی ہوئی بدینی پر فدا
 محمدائی نے کلفت انہیں دی ہے
 ہوا مفطرب وہ صفائش بھی
 بہت اسنے دل سے انھیں دی دُعا

کچھ احوال تو ہم سے بتلائیں آپ
 ہوا کیا یہ کیوں باپ ماں سے چھٹیں
 جو گزرا تھا اس پر وہ ظاہر کیا
 گزر جانے دیتیں سنبھالا عبث
 تو مجھ کو بھی جینا گوارا نہیں
 مری تو جوانی کو میرا سلام
 سمندر میں پھر ڈوبنے کو چلی
 چلیں لیکے اپنے وہ گھر سبائے
 لگیں کرنے خدمت محبت کے ساتھ
 وہ پھانس اسکے دل سے نکلتی دیتی
 کھٹکتا تھا کانٹا سادہ ہر گھڑی
 کہ غش روتے روتے اسے آگیا
 پھر یہ پتلیاں مٹھیاں بندھ گئیں
 کہ یہ تو سنبھل کر چلی ہائے پھر
 کہ لازم ہے یسینی خبر آپ کو
 بچا لیجئے حبان بہان کی !!
 گئی اٹھ کے پھر بیٹھ وہ سر لقا
 دعا کی کہ اے خالق بحر و بر
 اگر مر گئے ہوں حبلادیں انہیں
 بڑی تجھ میں قوت ہے قدرت بڑی
 کہاں ڈوبے بڑے ترائے نہیں
 ہر اک کو ٹھکانے لگاتا ہے تو
 اگر جوش پر آئے رحمت تری

وہ سردار بولی نہ گھبرائیں آپ
 کہ کس طرح اپنے مکان سے چھٹیں
 بیاں رو کے حال آخر اس نے کیا
 کہا تم نے مجھ کو نکالا عبث
 جو زندہ ہی میرا وہ پیارا نہیں
 اب اس زندگانی کو میرا سلام
 یہ کہہ کر وہ پتھر مردہ گل کی کھلی
 گئیں وہ لیٹ دوڑ کر سب اُسے
 اُسے لائیں تجھ پر عزت کیسا
 پر اس کی طبیعت سنبھلتی نہ تھی
 ترقی پہ تھا اس کا غم ہر گھڑی
 ترقی یہاں تک وہ غم پاگیا
 گیا دم الٹ ہچکیاں بندھ گئیں
 وہ رونے لگیں ہو کے بے منتشر
 یہ بیٹھنے بھیجی خبر باپ کو
 نکلتی ہے جان اک پریشان کی
 وہ درویش آیا اُسے دی دُعا
 پھر اس کا وہ احوال کر کے نظر
 جو پچھڑے ہیں ان سے ملا دیں انہیں
 تجھے میرے خالق ہے طاقت بڑی
 کب اجڑے ہوئے گھر بسائے نہیں
 غم و رنج میں آٹے آتا ہے تو
 الہی الو کھسی ہے قدرت تری

ادائوں سے دل کو بھٹاتے تھے پھول
 کہ نادیم بھی دشتِ فتن کی ہوا
 کہیں سور کی تھی صدا چھاری
 جو ساعت تھی وہ طالبِ صل تھی
 بڑا غل تھا باہم چپائے ہوئے
 وہ کہتے تھے جب پی کہاں پی کہاں
 منڈیرِ دل پر رتھاں تھے مور اکھڑ
 چمن وہ بہت ہی مزہ دے گیا!
 جہاں میں یہ کیا پڑھا باغ ہے
 جہاں میں نہ ہوگا کہیں اس طرح
 نہیں باغِ دنیا میں ایسا حضور
 اسی پر تو زردوس قربان ہے
 یہ کہنے لگی ان جلیسوں سے وہ
 جلانا تھا اس اپنے دشمن کو بھی
 یہ پیغام میر سنائے اسے
 نہ وقت جو تشریف لانے میں ہو
 مجھے آکے ممنون فرمائے
 ہوئی شاد سن کر وہ محشرِ خرام
 چلی سب گاڑی پہ ہو کر سوار
 تو دل میں ہوئی شاد وہ نازنین
 ادھر اور ادھر آنے جانے لگی
 کبھی اس پہ سوچتی وہ لیکر اسے
 خود اس طرح تعریف کرنے لگی

بہار اپنی ہر دم دکھاتے تھے پھول
 معطر تھی ایسی چسپن کی ہوا
 کہیں کوک کوئل کی تھی آ رہی
 عجب لطف کے دن عجب فصل تھی
 پیسے تھے تہر اور ڈھائے ہوئے
 لگاتے تھے دل پر وہ گویا سناں
 ہم کبک کرتے تھے شور اکھڑ
 ہوئی ناگت شاد دھند سے ہوا!
 خواصوں سے بولی کہ کیا باغ ہے
 دلا دینا یہ باغ ہے جس طرح
 وہ بولیں کہ شک میں ہے کیا حضور
 جہاں بھر کے باغوں کی یہ جان ہے
 ہوئی خوش یہ سن کر انیسوں سے وہ
 دکھانا تھا اسکو تو سو کن کو بھی
 یہاں سے کوئی جا کے لائے اسے
 کہ گر ہرج یاں تک نہ آنے میں ہو
 تو تشریف گلزار میں لائے!
 کہا جادو جو حبِ اکر پیام
 ہوئی جلد طیار وہ گلفدار
 جو پہونچی وہاں جا کے یہ نہ جہیں
 اسے باغ اپنا دکھانے لگی
 کبھی لے گئی اس روش پر اسے
 دم اس باغ کا خود ہی بھرنے لگی

چلے وہ سفر روز کرتے ہوئے
بہت جلد پہنچے وطن کے قریب
چلے لوگ لینے مسرت کے ساتھ
وہ گھرا پنے آیا بڑی شان سے
اسی طرح داخل وہ بُت بھی ہوئی
اٹھی ساس ددڑی بشت کیساتھ
نجیر میں سب آگئیں یکجہ کر!!
بڑی ناگمت کو ندامت ہوئی
بہت جھینپی غرت سے کٹ کٹ گئی
غرض پھر خوشی سے وہ دن آگئے
خوشی کے بچے شادیاں تمام
سوا حد سے بھی دل میں ماں خوش اودھر
اور اس سے سواناگت خوشی اودھر

ناگمت کا اپنے باغ میں سیر جانا اور پدما کو بھی بلوانا

پلا جلد ساتی کہ آئی بہار
ہوا میں پھر اٹھلا کے چلنے لگیں
لگے پھولنے پھول گلشن میں پھر
کوئی ناگمت کا تھا وال خاص باغ
اسی میں کسی روز وہ پھول کھتی
سماں اس نے دیکھا گلوں کا کبھی
فدا تھی دل و جاں سے گلزار پر
بہاروں پہ واقع میں گلزار تھا
خوشی پھر بڑی ساتھی لائی بہار
نئی کو نیلیں پھر نکالنے لگیں
جمارنگ پر رنگ گلشن میں پھر
وہ دیتا تھا دنیا کے باغوں کو درغ
گلوں کے تماشے میں مشغول تھی
سنا چہچہا بلبلوں کا کبھی
نظر اس کی تھی ایک اک خار پر
رگ گل سے بہتر تھا جو خار تھا

ہوئی پر غضب وہ پری چھم بہت
 اُلجھنے کی سب سے نہ عادت گئی
 تنکبر کی اپنے سزا پا چکیں
 نہ دعویٰ پہ اپنے ندامت ہوئی
 وہ جامے سے باہر ہوئی اور بھی
 مجھے اپنے دعویٰ پہ خجالت ہو کیوں
 ملاحظت بری ہے کہ رنگت بُری
 مگر میں غضب کی ہوں مٹی نہیں
 جو جادو مری تر چھپی چتوں میں ہے
 حین کوئی میرے برابر نہیں
 نمک ہونہ جس میں وہ صورت ہی کیا
 نہ کیڑے ہوئے گر سوانح تو کیا
 بہت اب نہ یہودہ یک دور ہو
 جہاں میں یہ سب سے نرالی ہوئی
 مرے حسن کا اس سے احوال پوچھ
 کہ پہونچا سر اندیپ تیرے لیے
 مری طرح زہرہ جبیں کون ہے
 کبھی حور آنکھیں ملائی نہیں
 بتائے کو ذرے سے نسبت کیا
 نئی چیز ہوئی منتخب چسپ ہوں
 زمانے میں ہر سو ہے شہرت مری
 رگ گل سے نازک کمر ہے مری
 کہ ہو ہو گئیں وہ پسینے میں تر

یہ سن کر ہوئی وہ بھی برہم بہت
 کہا یہ تمہاری نہ خصلت گئی ۱۱
 پرندے کی گونہ کی بھی کھا چکیں
 نہ اب تک مگر کچھ خجالت ہوئی
 وہ برہم پسینہ ہوئی اور بھی
 کہا پڑھ کے محکون ندامت ہو کیوں
 مری تجھ سے کیا کم ہے صورت بُری
 تری طرح گو گوری چٹی نہیں!
 نمک جو مرے سالو لے پن میں ہے
 تجھے حشر تک وہ ملیں نہیں
 نہ شوخی ہو جس میں وہ عورت ہی کیا
 نہ بھونرے ہوئے مجھ پہ عاشق تو کیا
 وہ بولی کہ ہٹ سرک دور ہو
 بڑی ایک یہ حسن والی ہوئی
 مرا جا کے راجہ سے تو حال پوچھ
 لیا تھا یہ جوگ اُس نے تیرے لیے
 زمانے میں مجھ صاحب کون ہے
 پری سامنے میرے آتی نہیں
 مرے آگے تیری حقیقت ہے کیا
 ارے میں جہاں میں عجیب چیز ہوں
 ہزاروں میں ہے ایک صورت مری
 کٹاری سے بڑھ کر نظر ہے مری
 غرض دونوں باہم لڑیں اس طرح

کہ اس باغ کا آج ہمسر نہیں
 یہ سنکر وہ گل مسکراتے لگی
 کہا تم کو کہنا یہ زیبا نہیں
 جہاں میں ہیں وہ وہ شگفتہ چمن
 کہ نازاں ہے جتنے گلوں پر جہاں
 زمانے میں ہے فصل گل آج گل
 جو گلشن ہے اس کا یہی حال ہے
 سرانیدپ میں جو مرا باغ ہے
 مقابل اگر اسکے یہ باغ ہو
 مجھے سخت حیرت ہے اس بات کی
 ستائش کے قابل تو گلشن نہیں
 یہ کیوں پڑاتے ملائے گئے !
 یہ بے میل ہر ایک تھا لالہ کیوں
 یہ جو ہی الگ کیوں لگائی گئی !
 چنبیلی یہاں اور ہسیلا وہاں
 یہ نسریں سے ہے نستر کول الگ
 یہی سیب کی یاں ضرورت تھی کیا
 نہیں کوئی تختہ بری عیب سے
 یہ سن کر وہ جامے سے باہر ہوئی
 کہا رنج دینے کی گھاتیں ہیں یہ
 امارت نفاست کی لیتی ہو تم
 کبھی یوں نہ ہوگا تمہارا چمن
 سجاوٹ کو تم جانتی ہی نہیں

کوئی باغ اس کے برابر نہیں
 ہنسی اس کا دل گد گد آنے لگی
 کوئی باغ ابھی تم نے دیکھا نہیں
 ہزاروں ہیں اس طرح تازہ چمن
 انھیں سے ہے سارا معطر جہاں
 شگفتہ ہیں گلزار گل آج گل
 گل دلالہ سے ہر چن لالہ ہے
 عجب پر فضا دلکش باغ ہے
 تو لالہ سا ہر پھول میں داغ ہو
 کہ مدحت سرا تم ہو کس بات کی
 کسی پھول پر اس کے جو بن نہیں
 گھنے اس قدر کیوں لگائے گئے
 یہ سوسن کے تختے میں لالہ ہے کیوں
 لواڑی یہ کیوں واں ہٹائی گئی
 ہزارا یہاں اور گیندا وہاں
 پڑی ہے وہاں یا سمن کیوں الگ
 شریفے لگائے کی حاجت تھی کیا
 جو کیاری ہے وہ ہے بھری عیب سے
 وہ اکبار کی خاک حبل کر ہوئی
 حد کی عداوت کی باتیں ہیں یہ
 یہی ہر گھڑی چھیڑ دیتی ہو تم
 نہ اس طرح ہوگا سنو ارا چمن
 چمن باغ پہچانتی ہی نہیں

وہ کہنے لگے کل مہساراج ہے
 کہ برگز نہیں کل ہے چاند آج، ی
 اور اس طرح آپس میں تک بک ہوئی
 سرزم شریں لگائی گئیں
 پرانا دہاں کا نمک خوار تھا
 معزز تھا عالم تھا راگھو تھا نام
 تو اس برہمن نے کیا واں یہ کام
 ہلال آسمان پر بتا ہی لیا
 نہایت ہی زیرک تھے ہشیالے تھے
 کوئی اصلیت اس چمک کی نہیں
 تماشے یہ جادو طرازی کے ہیں
 ابھی تو تم ساشا یہ معسوم ہو
 خبر ہر طرف سے یہ لاتے گئے
 کوئی اسکو گردوں پہ پانا نہیں
 کیا اس نے راگھو پہ غصا بہت
 نہ بھائی یہ جادو طرازی اُسے
 نکل جائے چوڑا گڑھ سے ابھی
 محل کے وہ نیچے سے ہو کر چلا
 جھوکے کی چلیں سے سچی وہ لگی
 جو گزرا تھا اس پر سنایا وہ حال
 جھوکے کے نیچے بلایا اُسے
 جھوکے کے نیچے وہیں پھینکی
 کوئی پیش آجائے حاجت اسے

کہا اس نے کل چاند یا آج ہے
 مگر ایک پنڈت نے تردید کی
 یہ بحث الغرض طول یاں تک ہوئی
 کہ قسمیں بہت اس میں کھالی گئیں
 یہ پنڈت بڑا تجربہ کار تھا
 لیاقت کا تھا اس کی شہر تمام
 ہوئی اب جو اس دن زمانے میں شام
 کہ چاند اس نے سب دکھا ہی دیا
 وہ پنڈت بھی سب تجربہ کار تھے
 لگے کہنے یہ چاند اصلی نہیں
 کرشمے یہ سب سحر سازی کے ہیں
 کوئی ہٹ کے دیکھے تو معلوم ہو
 اسی وقت کچھ لوگ جاتے گئے
 کہ ہٹ کر نظر چاند آتا نہیں
 ہوا اُن کے ناراض راجا بہت
 خوش آئی نہ یہ سحر سازی اسے
 دیا حکم یہ راستا لیے ابھی
 دہاں سے وہ بیچارہ رو کر چلا
 تھی کوٹھے پہ پدمادتی آکھڑی
 خواصوں نے اس کا تباہ حال
 تاسف کیا جسم آیا اسے
 اور انمول پازیب وہ پاؤں کی
 کہ شاید پڑے کچھ ضرورت اسے

وہ غصے میں ہو ہو گئیں نیچے سر
 ہوئے لال وہ چاند سے کال بھی
 چلی آئیں اس حور کو لیکے گھر
 اشران کی رنجش کا دل پر ہوا
 کیا سوچ کر اس نے یہ انتظام
 الگ کر دیا انکا راحت سرا
 وہ دونوں ہوئیں ماں اولاد پھر
 کنول سین اس پیارے کا نام تھا
 کلچے کی ٹھنڈک تترار جگر
 دلارے تھے رگے یہ عالی نسب
 ہوا رنگ تبدیل اس کا بہت
 جہاں سے عدم کا سفر کر گیا
 وہ ماں بھی رتن سین کی چل بسی
 زیادہ نہ وہ بھی رہی چل بسی

راگھو بہمن کارتن سین کے دربار نکلتا اور سلطان علاؤ الدین تک پہنچتا

پلانا ہے ساتی تو عرصہ نہ کمر
 نہ باقی رہے ہوش اس قدر
 زمانے کا ساتی بھروسا ہی کیا
 خبر کیا ابھی ہر باں ہو گا کیا
 ہمیشہ یہی کار خزانہ نہیں
 تھے اکروز بیٹھے بہت برہمن
 یہ ہے کار خیر میں وقفہ نہ کمر
 پلادے مجھے پی سکوں جس قدر
 کسی چیز پر یاں کے تکسایا کیا
 ابھی بیٹھے بیٹھے عیاں ہو گا کیا
 برابر کسی کا زمانہ نہیں
 رتن سین تھا رونق انجمن

سُلطان علاؤ الدین کا فرمان

مرے مہرباں منبر سلطنت
 سنا ہے یہ تو تے کی تقریب سے
 کوئی نازنین ساتھ لائے ہو تم
 بہت جلد اوسکو روانہ کرو
 نہیں تو بہت ہوگی خفت تمہیں
 مرا حال تم جانتے یا نہیں
 سپہدار مندوستان کا ہوں میں
 خدانے وہ سختی ہے طاقت مجھے
 کہ میرا کوئی آج ہمسر نہیں
 نہیں کس ولایت میں شہر مرا
 جو پہونچا یہ حکم اسکو سلطان کا
 تو غصے سے وہ تھر تھرانے لگا
 چلے ہونٹھ تیوری بدلتے لگی
 کھڑے ہو گئے رونگٹے اس طرح

شجاع و جری یاد ر سلطنت
 سفر کر کے شہر سراندیپ سے
 دل اپنا اسی سے لگائے ہو تم
 نہ کچھ اس میں حیلہ بیانہ کرو
 بہت ہوگی اس میں ندامت تمہیں
 مری تیغ کو مانتے کیا نہیں
 شہنشاہ سارے جہاں کا ہوں میں
 عطا کی ہے اس نے وہ صولت مجھے
 کوئی آج میرے برابر نہیں
 نہیں مانتا کون لوہا مرا
 کھلا اس پہ مضمون جو فرمان کا
 رگوں میں لہو جوش کھانے لگا
 نظر تیغ کی طرح جلنے لگی
 سیاہی سر معرکہ جس طرح

نہ باقی رہی ضبط کی اسکو تاب

معا اس کے فرمان کا لکھا جواب

رتن سین کی عرضداشت سلطان علاؤ الدین کی فوج کشی

فریدول حشم تاجدار جہاں
 یہ شوکت یہ ہیبت ہمیشہ رہے
 وحید جہاں شہر یار جہاں
 سر پاک سے دور سودا رہے
 مرے نام فرمان صادر ہوا
 جو مضمون تھا اسمیں وہ ظاہر ہوا

ہوا تہر یہ پھینکنے میں مگر
 کہ الجھا تو وہ ٹوٹ کر گر پڑا
 ستارے سے موتی بکھر کر گئے
 انھیں دیکھ کر وہ گل تر، سنسی
 برہمن یہ کل ایسے دولت چلا
 ہوا شہر دہلی میں آ کر مقیم
 علاؤ الدین اسوقت تھا تاجدار
 دہاں اس نے کچھ ایسی تدبیر کی
 کہ پہونچا وہ دربار سلطان تک
 لیاقت سے خوش اسکی سلطان ہوا
 رفاقت جو اسکو ملی شاہ کی
 اُسے دیکھ کر دنگ سلطان ہوا
 کہا یہ کہاں تجھ کو دولت ملی
 نہیں یوں تو پانزیب دیکھی کبھی
 اسی طرح موتی بھی ہیں بے بہا
 بتایا برہمن نے احوال سب
 سرانڈیپ راجہ کا حبانہ کہا
 یہ سُن کر وہ اس پر فدا ہو گیا
 رہا دل پہ اس کا نہ کچھ اختیار
 بیکل کر چلے اشک داماں کی سمت
 ہوا دل میں بحرِ تمنا کا جوش
 گئی عقل ساری فراست گئی
 نہ سوچا نہ کچھ غور اس نے کیا
 بستم یہ گلے کے ہوا ہار پہ
 گلے سے معاً چھوٹ کر گر پڑا
 چمکتے ہوئے سب میں گر گئے
 کہا کہہ دو اب چن لے یہ اسکو بھی
 وہ طے کرتا ساری مسافت چلا
 بحال پریشاں بحال مقیم
 اسی کا تھا کل ہند پر اختیار
 مدد کچھ ہوئی ایسی تفت ریر کی
 گئی ایک چوٹی سلیمان تک
 بہت اسکی صحبت سے شادان ہوا
 تو دکھلائیں چنریا وہ اس ماہ کی
 نفاست پہ صفت کی حیراں ہوا
 کہاں اس طرح تجھ کو عزت ملی
 یہ ہے کس کے پاؤں کی کس نے دی
 یہ ہیں ہار کے کس کے کس نے دیا
 کہا حق کا اس کے وہ حال سب
 وہاں سے اُسے بیاہ لانا کہا
 فدا ہو گیا مُبتلا ہو گیا
 نظر آئے چلتے وہ صبر و قرار
 بڑھے ہاتھ دولوں گریباں کی سمت
 رگوں میں ہوا خون سودا کا جوش
 وہ خوبی گئی وہ تہانت گئی
 رتن سین کو اب یہ فرماں لکھا

کہیں کوئی چھپنے نہ پاتی تھی چیز
یہ کہتا تھا سب جاں نثاروں کے وہ
نہ فوج اس کی اب تک نظر آئی کچھ
شہنشاہ کو منہ دکھانا تھا آج
سبب کیا یہ وقف ہوا کس لیے
ہوا تھا نہ یہ ذکر پورا ابھی
ترم کی صدا آ کے چھانے لگی
علم وہ ہر اول کا آیا نظر
وہ بادل سنہرا دکھائی دیا
وہ ٹیڑی سی میدان میں چھا گئی
ہوا وہ بھی محو تماشا وہیں
بڑا رعب دکھلا رہی تھی یہ فوج
پیادے سگر کم زیادہ سوار
شجاعت تھی چہروں سے سکے عیاں
برابر قدم سب کے پڑتے ہوئے
نظر تلے وقفہ سب کی تھی
بہت سے نشاں تھے بہت علم
نئی وضع کے اور نئے ڈھنگ کے
اُسے فوج تھی سب لیے بیچ میں
جھلک کہتی تھی ہے یہ دانا بہت
وہ گھوڑوں میں اونچا سوار ہے تھا
چمکتی تھی شملے کی کلنی بہت
تو پوچھا کسی سے رتن سین نے

نظروں سے کوسوں کی آتی تھی چیز
مخاطب تھا ان غمگساروں سے وہ
کہ اب تک نہ شہ کی خبر آئی کچھ
خبر کے موافق تو آنا تھا آج
پہنچنے میں عرصہ ہوا کس لیے
وہ یہ بات کہہ ہی رہا تھا ابھی
کہ ٹنکے کی آواز آنے لگی
نشاں فوج اول کا آیا نظر
زرا نشاں پھر برا دکھائی دیا
لگے کہنے سب کو وہ فوج آگئی
گیا بیٹھ کر سی یہ راہبا وہیں
بڑے ٹھاٹھ سے آرہی تھی یہ فوج
سلحہ تھے سارے پیادہ سوار
سجے خاکی وردی میں تھے بجاں
چلے آرہے تھے اکڑتے ہوئے
اسی سمت اسی رخ نظر سب کی تھی
نظر آتے تھے اچھے اچھے علم
مگسب کے سب مختلف رنگ کے
جواں ایک تھا فوج کے بیچ میں
نظر آ رہا تھا تو انا بہت !!
حسین اس کا گھوڑا سوار ہے تھا
مناسب تھی پوشاک اس کی بہت
جو ٹھاٹھ اس کے دیکھے رتن سین نے

حقیقت میں حضرت شہنشاہ ہیں
 ہر اقلیم میں ہے شجاعت کا دھوم
 مگر جتنے عادل شہنشاہ ہیں
 وہ اس طرح بیہودہ جکتے نہیں
 ٹاڈوں کا اس بات میں آپ کو
 تعلیٰ جو اس طرح کرتے ہیں آپ
 زرا بھی یہاں اس کی دہشت نہیں
 یہ خطائیکے قاصد یہاں سے بڑھا
 وہ پڑھ کر اُسے تھر تھرانے لگا
 غرور آگ غصے کی بھڑکا چلا
 معاً اس پہ وہ فوج لیکر چڑھا
 بڑھے والے سے مخبر خبریا کے یہ
 یہاں تو یہ ہشیار بیٹھا ہی تھا
 خبردار ہشیار افسر ہوئے
 ہوئے جمع سارے جواں قلعہ کے
 لگے پھرنے وہ جنگجو ارد گرد
 ترم بون فوجوں میں بجنے لگے
 یہی دل میں ہر ایک کے آرزو
 توقف انہیں شاہ کا شاق تھا
 خبر اس کی جس روز آنے کی تھی
 چڑھے صلح سے قلعہ کی چھت پہ تھے
 لڑیں آنکھیں اک اک کی تھیں راہ سے
 وہیں رونق افسر و راجا بھی تھا

جری ہیں بہادر ہیں حجاباہ ہیں
 بہت دور تک عدالت کی دھوم
 جو ذی رتبہ ہیں اور ذی جبابہ ہیں
 شریفوں کی عزت کو تکتے نہیں
 بزرگی ہے کس بات میں آپ کو
 جو دم اپنی جرأت کا بھرتے ہیں آپ
 کسی کو کسی پر فضیلت نہیں
 دیا اس کو اور اسے اس کو پڑھا
 ہوا سُرخ مخلب چبانے لگا
 بدن بھر میں چکر لہو کھا چلا
 بڑے نور کے ساتھ ادھر وہ بڑھا
 رتن سین کو دی خبر اُس کے یہ
 کمر باندھے طیار بیٹھا ہی تھا
 جوانوں کے پہرے مقرر ہوئے
 لگے ساف ہونے مکاں قلعہ کے
 بچھایا گیا گو کھر وار د گردا
 پڑی چوب ڈنکے گر بنے لگے
 کہ آتا ہے تو جلد آئے عدو
 جو تھا اس سے لڑنے کا نشان تھا
 نہ حد بیخ و تاب اُنکے کھانے کی تھی
 صلح تھے نازاں شجاعت پہ تھے
 یہی دھن مقابل ہوں اب شاہ کے
 انھیں سب میں وہ حکم فرما بھی تھا

جوانوں کی ہمت سے بڑھکر بلند
 یہ اس پر جلی خط میں تحریر تھا
 شہنشاہ عالم کو نفرت نصیب
 چلی بڑھ کے ڈنکے کی بھاری صدا
 صدا طبل جنگی کی چھانے لگی
 یہ عاشق تھی مشہور جنگاہ کی
 بڑا غول ان نامداروں کا تھا
 یہ سینے ہوئے دریاں تھی سیا
 غضب کی دکھاتے تھے شوخی سمند
 جواب ایک ایک رستم و گہو کا
 بھرے زور میں صورت پیل سب
 لگائے ہوئے کلفیاں سب کے سب
 سناں ہاتھ میں تیغ کیں ڈاب میں
 شجاعت عیاں دست بازو سے تھی
 انھیں دلوں میں وہ سلیمان بھی تھا
 سپر تیغ برچھی سناں ارد گرد
 نہ ہوتا تھا سر سے جدا چتر زر
 سبک رو سبک تر، سبک چتر پر
 وہ عالم تھا سورج بھی قربان تھا
 بڑی شان و شوکت شجاعت کیسا
 فلک جھکی وسعت پہ قربان تھا
 فلک دب گیا فوج کی ادج سے
 کئی کوس کے گردیں چھا چکی

یہ سائے نشانوں سے تھا سر بلند
 پھر یہ کہ محبلی کی تصویر تھا
 کہ نصر من اللہ فتح قریب
 لگی آنے شہنا کی پیاری صدا
 گر جنے کی آواز آنے لگی
 یہ تھی فوج چو تھی شہنشاہ کی
 ہجوم اس میں حبشی سواروں کا تھا
 نہ ملتی تھی تیغوں سے انکی پناہ
 سوار بھلا میں تھے سب کی شکی سمند
 جو حبشی تھا بچہ تھا وہ دیو کا
 تنومند بلے گراں ڈیل سب
 کھسے خوشنما پیٹیاں سب کے سب
 بھرے سب کے سب زور میں تائب
 لگی تیغ ہر اک کے پہلو سے تھی
 انھیں سب جوانوں میں سلطان بھی تھا
 ڈٹے ترکمانی جواں ارد گرد
 لئے اپنے سائے میں تھا چتر زر
 سوار ایک چالاک شہدینہ پر
 وہ تاج اس کی پوشاک کی جان تھا
 چلا آ رہا تھا مسرت کے ساتھ
 جو اس قلعہ کے آگے میدان تھا
 وہ سب بھر گیا لشکر و فوج سے
 جو سلطان کی فوج سب چکی

یہ سب سے بڑا جواں کون ہے
یہ فوج ہر اول کا سردار ہے
ہر اک سمت جلوہ نشاں پھر ہوا
پھر میرا جو اس کا تھا وہ زرد تھا
بڑی رعب کی اور بڑی شان کی
بہادر تھا ساونت تھا سور تھا
سپر دوش پر تیغ کیں ہاتھ میں
بلی وردی اس فوج کو زرد تھی
وہ تھا ایک ہی آسمان کے تلے
سوار ایک چالاک سبزے پہ تھا
یہ حال اس جواں کا جانے لگے
یہ سلطان کا ہمارا پردم کا ہے
پھر یہ اُضیا بار پھر ہو چلا
بڑے ٹھاٹھ کا اور سامان کا
بڑی نامور تھی فلک اوج تھی
وہ طرہ تھا لال اور تی تھی لال
دکھائی دیے اس میں افسر کئی
وجاہت میں فردا اور صورت میں فرد
سروہی بکف گرز بردوش سب
لگے کہنے اس حکم فرما سے پھر
وزیر مشیر شہنشاہ کا !!
بڑا اک نشاں پھر دکھائی دیا
وہ اڑاڑ کے ہر دم چمکنے لگا

کہ یہ بیچ والا جواں کون ہے
کہا اس نے افسر یہ جواں ہے
عیال اتنے میں اک نشاں پھر ہوا
علم خوشنمائی میں یہ فسر د تھا
یہ تھی دوسری فوج سلطان کی
سیاہی جو اس میں تھا مغرور تھا
شجاعت تھی ہر ایک کے ساتھ میں
دلیری میں یہ فوج بھی فسر د تھی
جواں ایک تھا جو نشاں کے تلے
بڑی شان پر اور رُتے پہ تھا
رتن سین سے سب تیانے لگے
کہ بیٹا یہ دستور اعظم کا ہے
نشاں اک نمودار پھر ہو چلا
علم تھا یہ سُرخ اور بڑی شان کا
یہ سلطان کی تیسری فوج تھی
سوار و پیادہ کی وردی تھی لال
مقرر تھے اس میں دلاور کئی
ہر افسر تھا جرات شجاعت میں فرد
قوی دیو ہیکل زرہ پوش سب
مخالب ہوئے سب راجا سے پھر
یہ سامان ہے دستور ذیجاہ کا
مزے کا سماں پھر دکھائی دیا
پھر پہلا سنہرا جھلکنے لگا

رتن سین اور سلطان علاؤ الدین کی جنگ

پلا جلد اے ساتی ہریان
 ہو تیری غفلت پہ مینا پڑا !
 تری اہو غفلت بہت بڑھ گئی
 اٹھ اب مے وہ دے جس سے طاقت
 جو دربار سے آئے گھر راجپوت
 یہی فکر تھی اب سحر جلد ہو
 ہوئی بائے کچھ کچھ عیاں صبح جنگ
 بہادر لگے جھومنے جوش میں
 نکل کر وہ سب سے میلاں چلے
 نشاں لیکے اول ہر اول بڑھے
 نہ کم اس طرف ابھی سامان تھا
 جو آگے تھی فوج اس کی وردی تھی
 سجا ہر سپاہی تھا ہتھیار سے
 تو انا تھا اس میں کافر بڑا !
 بہادر تھا جاں باز حیرت ار تھا
 سواری میں گھوڑا بڑا حباندار
 بہت سے مسلح سوار اسکے گرد
 جو اس فوج کے بعد جاتی تھی فوج
 جوان تھے جو اس میں وہ جبار سب
 سروی اکمر سے لٹکتی ہوئی
 گلابی جواںوں کی تھیں زردیاں

کہ رنگ اب بدلنے پہ آئے سماں
 ہمیں ہائے مرمر کے جبینا پڑا
 یہ کچے گھڑے کی بری چڑھ گئی
 عوض نشہ کے میری ہمت بڑھے
 لگے نکلنے راہ سحر راجپوت
 رواں اپنی تیغ دوسر جلد ہو
 لگی ہونے جلوہ فشاں صبح جنگ
 لگے تیغ کو چومنے جوش میں
 بہت شاد و ہشاش و خنداں چلے
 یہی فوج میں سب سے اول بڑھے
 وہ سامان تھا لاٹنگ سلطان تھا
 وہ سر پیچ تھا لالہ بتی تھی لال
 مسلح سناں اور تلوار سے
 بڑا زور آور دلاور بڑا !
 لگائے ہوئے پانچوں ہتھیار تھا
 بڑا چست و چابک بڑا شاندار
 جمائے صفیں نیزہ دار اسکے گرد
 دم جنگ آفت وہ ڈھاتی تھی فوج
 لگائے ہوئے تھے وہ ہتھیار سب
 وہ شملے میں کلفی چمکتی ہوئی
 بہت ہی سچی سر پہ تھیں کلفیاں

تو راجہ بھی طیارہ ہو کر اٹھا
 بڑا ایک دربار آکر کیا
 رسالوں کے انسر بلائے گئے
 کہا ان سے راجہ نے الفت کے ساتھ
 کہ شہ لے آیا ہے عزت مری
 سوئی جان دینے کو طیارہ ہوں
 لڑوں گا میں شہ اس سے جی کھول کر
 یہ سنکر ہوئے پر غضب راجپوت
 لیا کھینچ تلوار کو میان سے
 ہمارا ج میدان میں جائیں گے کیوں
 یہ کہلاتے ہیں مرد ہم کس لئے
 ہم ان ترک کو کچھ سمجھتے نہیں
 سمجھتے نہیں ہم یہ سلطان ہے کیا
 جو تلوار کھینچیں گے ہم میان سے
 ڈرے ہیں کسی سے کہیں راجپوت
 رتن سین یہ شہ کے شاداں ہوا
 کچھ اتنے میں حاضر ہوئی لندیاں
 انھیں کر کے تقسیم سب سے کہا
 کہ میری طرف سے یہ لیں راجپوت
 بچا میں شہنشاہ سے عزت مری
 نہ کم سمجھیں اپنے سے حرمت مری

شہنشاہ سے بیزار ہو کر اٹھا
 فراہم ہر اک کو بلا کر کیا
 شجاع و دلاور بلائے گئے
 یہ تقریر کی ایک حسرت کے ساتھ
 مسانے یہ آیا ہے حرمت مری
 بہت ظلم سے اسکے بیزار ہوں
 سرور میں سر معرکہ تول کر
 چبانے لگے ہونٹ سب راجپوت
 کیا عرض حاضر ہیں ہم جان سے
 یہ تکلیف ناحق اٹھائیں گے کیوں
 حضور اس کا کرتے ہیں غم کس لئے
 الجھتے ہیں ہم جب سمجھتے نہیں
 یہ انہوہ ہے کیا یہ ساماں ہے کیا
 تو سب بھاگ جائیں گے میدان سے
 جو کوئی بچے تو نہیں راجپوت
 سر بنم ان کا تناخواں ہوا
 لئے کشتیوں میں وہ تھیں کلفیاں
 کہ یہ پڑی نے تمہیں ہے دیا
 جگہ اپنے شہلے میں دیں راجپوت

پہر بچتے ہی ہتھیار چلنے لگے
 جھٹا جھٹا کی آواز آنے لگی
 برسے لگا خون میدان میں
 کوئی ہو کے زخمی گرا تیر سے
 کہیں پار دل کے سنال ہو گئی
 گئی جسطرف تیغ سن سے نکل
 دی سر سے تھا دامن خود میں
 کئی خود تکڑے جھلم کے اٹے
 پڑا تھا سر وہی پہ قبضہ کہیں
 پریشاں پھرے زلف پر خم کی طرح
 نہ لیتے تھے دم بھر بھی دمِ جاوید
 وہ غصے سے وارا نکا کرنا غضب
 چمک کر کبھی تیغ سر پر پڑی
 کبھی اس کے جوشن پر آکر ٹھری
 کلائی کسی کی کہیں اڑ گئی ؟
 وہ ڈھالیں کٹیں پگڑیاں کٹیں
 کہیں سر وہی سے کٹ کر گرا !
 مسلمان بھی تھے بڑے جوش میں
 گئے جب عدو کی صف کی طرف
 لہو میں اسے جا کے ہلا دیا
 ٹپکتا تھا سر سے جبیں سے لہو
 اسی طرح پیروں لڑائی رہی
 برابر ہے ہر طرف کے حوال

بہم دار پر دار چلنے لگے
 اجل ہاتھ اپنا بڑھانے لگی
 ہزاروں ہوئے قتل اک آن میں
 تھڑپے لگا کوئی شمشیر سے
 کہیں کھینچ کے دہری کہاں ہو گئی
 گئی خوف سے جان تن سے نکل
 جو جھپکی پلک تودہ تھا گود میں
 پر خچے زرہ کے علم کے اٹے
 پڑا خاک پر پیلا تھا کہیں
 صفیں ساری الٹی ہوئیں دم کی طرح
 بڑا کر رہے تھے ستمِ راجپوت
 زندان کا رہ رہ کے بھرنا غضب
 کبھی ہو کے ترچھی کمر پر پڑی
 کبھی اس کی گردن پہ جا کر ٹھری
 وہ ہاتھ اڑ گیا آستیں اڑ گئی
 وہ چلتے کٹے پڑیاں کٹ گئیں
 کہیں تن سناں سے الٹ کر گرا
 یہ غصہ تھا ان کو نہ تھے ہوش میں
 پھٹی ڈر سے کائی کی صورت وہ
 عدم کی اُسے راہ ہٹا گیا
 گریبان سے آستیں سے لہو
 بہم خوب تیغ آزمائی رہی
 رہے لڑتے ہر ایک صف کے حوال

ہزاروں میں اک اسکا سردار بھی
 ہزاروں زرافشاں نشاں اسکے گرد
 جو تھی قطب کی وہ بڑی فوج تھی
 بھرے اسمیں بھی چیدہ چیدہ جواں
 یہ سینے ہوئے وردیاں زرد تھے
 سجے تھے زرہ خود بکتر سے سب
 کمر سے تو تیغ دو پیکر لگی
 بڑا رعب تھا اسکے افسر پہ بھی
 خدا دل سے اپنے سپہدار پر
 بہت بانکے ترچھے جواں ارد گرد
 جو تھی فوج پیچھے وہ آفت کی تھی
 بڑے لمبے چوڑے جواں اسمیں تھے
 یہ اودی تھے سینے ہوئے وردیاں
 بڑھاتا تھا دل اسکا سردار فوج
 کہ ہاں وقت ہمت ہے شیر و بی
 جو آئے ہیں تو جانے پائیں نہ ترک
 انھیں تیغ سے کاٹ کر ڈال دو
 کریں یاد یہ بھی چڑھے تھے کہیں
 کسی طرح اب دو نہ مہلت انہیں
 کچھ ایسی دلیری سے ان سے لڑو
 ادھر تھا وہ سلطان شیار پی
 بچے جنگ کے باجے دولوں نظر
 نکل کر جواں پہلی صف سے چلے

دلاور بھی بانکا بھی جرار بھی
 علم ہیرتی دھندیاں اسکے گرد
 کئی بار کی وہ لڑی فوج تھی
 شجاع و جری جنگ دیدہ جواں
 بہادر دلاور جواں مرد تھے
 گرا انبار تلوار خنجر سے سب
 اور اس دن کی کٹنی وہ سرریگی
 شجاعت تھی ختم اس دلاور پہ بھی
 سوار ایک اسپ وفادار پر
 کئے سایہ اس پر نشاں ارد گرد
 سواروں کی جرأت قیامت کی تھی
 کئی نامور پہلواں اسمیں تھے
 شجاعت میں سب انتخاب جہاں
 یہ کہتا تھا ان سے وہ جرار فوج
 شجاعت کا دن ہے دلیر و بی
 یہاں سے بھی بچ کے جائیں نہ ترک
 تنوں سے جدا کر کے سر ڈال دو
 حماقت سے اپنے بڑھے تھے کہیں
 دکھا دولس اپنی شجاعت انہیں
 کہ خیمے میں تم شاہ کے گھس پڑو
 جواں مرد تو لے تھے ہتھیار ہی
 ہوئی داں سے امن دامال برطرن
 جواں مرد دولوں طرف سے چلے

ہو وہ رات رخت جہاں ہوئی
 تو فوجیں لگیں ہونے لگیں
 یہ دھڑکا کر سب جوانوں کو ہے
 کہ ہوتا ہے دیکھیں دم جنگ کیا
 اٹھے تو وہ ہیں منہ اندھیرے ہی
 تر دو سے پر کوئی خالی نہیں
 ہوئی آخر اس روز جنگ اس طرح
 سر قلعہ آ کر اڑے راجپوت
 وہیں سے وہ تیراں پہ برس اچلے
 جوانوں کے سینے جگر چھید گئے
 بدلیں ہر اک کا نشانہ ہوا
 اگرچہ ادھر سے بھی کستی نہ تھی
 ادھر سے بھی بوجھار تیر دنگی تھی
 مگر کیا کریں سخت مجبور تھے
 نہ جاتا تھا اپنے ٹھکانے پہ تیر
 اور ان کا موقف تھا اچھا بہت
 خطا کوئی تیراں کا کرتا نہ تھا
 غرض یوں ہی جنگ آدائی رہی
 لیاستہ نے آخر یہ حکمت سے کام
 کہ اب عزم یکبارہ تم سے نہیں
 ہوے دفع دل سے خیالات وہ
 قیام اب نہ ہو گا زیادہ
 جو ممکن ہو تو آ کے مل جاؤ تم

سیاہی وہ دور آسمان سے ہوئی
 بہادر لگے سمجھنے پھٹیاں پھر
 تر دو یہ سب پہلوانوں کو ہے
 بدلتا ہے اب آسمان رنگ کیا
 کھر کھر رہے ہیں سویرے ہی سب
 وہ چہروں پہ ان کے بھالی نہیں
 رتن سین کا قصہ تھا جس طرح
 وہیں سے سنبھل کر اڑے راجپوت
 سرخاک ترکوں کو تڑپا چلے
 ادھر چھید گئے تیر ادھر چھید گئے
 کہ ہر سینہ زنبور خاں ہوا
 کم ان کی وہ پھرتا وہ چستی نہ تھی
 ہر اک سمت سے مار تیروں کی تھی
 جگہ ان کی نیچے تھی منہ در تھے
 نہ پڑتا تھا اپنے نشانے پتیر
 نہایت ہی محفوظ او خیا بہت
 کوئی تیر بے جا اترتا نہ تھا
 ہمنوں یہ باہم اڑائی رہی
 دیا صلح کا اس نے اس کو پیام
 کوئی رنج زہر سار تم سے نہیں
 مرے دل میں باقی نہیں بات وہ
 کہ ہے واپسی کا ارادہ مرا
 نہ وسواس دل میں کوئی لاؤ تم

پر آخر میں گھبرا گئے راجپوت
 جو تھا راجپوتوں کا انس و بڑا
 تہہ تیغ میدان میں آ گیا
 ہوئے خوش مسلمان دل بڑھ گئے
 قدم راجپوتوں کے پیچھے بڑے
 جو وہ بددلی سے پریشان ہوئے
 ہوئے حملہ آور سب اکبار کی
 چلے اس جگہ سے سرک راجپوت
 مدد کو یہاں فوج طیار تھی
 مگر اب لب بام تھا آفتاب
 لڑائی دم صبح پر اکھڑ رہی
 جڑی لڑ کے میدان سے جا رہے
 ادھر دل میں شہ کے بشارت بہت
 کہ کل فتح یہ قلعہ ہو جائے گا
 ادھر یہ رتن سین کا بند و بست
 ہر میت زرا کھائے راجپوت
 جو مشہور تھا داں دلا و بڑا
 بہادر فریب اجل کھا گیا
 وہ صف باندھ کر اور بھی جڑھ گئے
 وہ لڑتے ہوئے کچھ وہاں سے ہٹے
 تو شیر اور بھی سب مسلمان ہوئے
 پڑے ٹوٹ ان پر سب اکبار کی
 ہٹ آئے در قلعہ تک راجپوت
 مسلح کھڑی بہر سیکار تھی
 کسی کو نہ باقی تھی لڑنے کی تاب
 سویرے پہ تیغ دوسرا ٹھری
 تھکے ماندے خمیوں میں آتے گئے
 جوانوں کو حاصل مسرت بہت
 مقابل میں کوئی نہ اب آئے گا
 شام سے جا بجا بند و بست

کہ اب ایسی تدبیر جنگ ہو
 کہ سلطان کا قافیہ تنگ ہو

رتن سین کا دھوکے سے قید ہونا

یہ کیوں ساقی تو پلاتا نہیں
 اٹھا جلد بوتل خدا کے لیے
 لڑائی حریفوں سے درپیش ہے
 فلک رنگ دیکھیں بدلتا ہے کیا
 یہ کیوں منہ سے بوتل لگاتا نہیں
 مدد کر مدد کسیرا کے لیے
 جو میخوار ہے وہ بداندیش ہے
 اب اس وقت یہ حال چلتا ہے کیا

تر دو سے سب لوگ گھبرا گئے
 اٹھا کر وہ منہ اس کا تینے لگے
 رتن سین گھبرا گیا اور بھی
 مگر آگیا ہوش اُسے جلد ہی
 کہ تہی تھوڑے عرصہ سے بیمار ہیں
 یہ دورہ کسی طرح جاتا نہیں
 یہ کہہ کر وہ خیمے کو اپنے چلا
 وہ خیمہ تلک ساتھ آیا چلا
 وہ آیا تو پھر گھسرنہ جانا ہوا
 اس دم گرفتار وہ ہو گیا
 چھٹا تخت وہ حکمرانی چھٹی
 وہاں پھر تو سلطان نہ دم بھر کا
 دیا کوچ کا حکم اس کی وہیں
 رتن سین کو ساتھ لے کر چلا
 یہ سوچا کہ رانی کہاں جائے گی
 کلچے جگر منہ کو آ آ گئے
 گلاب اس کے منہ پر چھڑکنے لگے
 وہ بدنامیوں سے ڈرا اور بھی
 یہ راجہ سے بات اب بنا کر کہی
 اسی عارضے میں گرفتار ہوں
 ددا اس کی کوئی بتاتا نہیں
 رتن سین بھی ساتھ اسکے چلا
 ملائے ہوئے ہاتھ آیا چلا
 وہ خیمہ اُسے قید خانہ ہوا
 سزا کا سزاوار وہ ہو گیا
 وہ ہر دم کی غمخوار رانی چھٹی
 نہ وہ خود رکا اور نہ لشکر کا
 اکھاڑے گئے کے خیمے وہیں
 دغا راجپوتوں کو دے کر چلا
 وہ راجہ کی خاطر وہیں لائے گی

نظر بند پہنچا کے اس کو کیا
 کیا رنج و غم میں اُسے مبتلا

پیداوت اور ناگت کا رتن سین کی مفارقت میں تڑپنا

یہ مینا نے آج ماتم ہے کیوں !
 یہ کیوں ہر طرف ہے خرابی پڑی
 یہ مے ہو گئی ہے لہو کس لئے
 خرابات میں کیوں یہ بھرا ہے
 یہ چھایا ہوا سا تیا غم ہے کیوں
 سر خاک ہے کیوں گلابی پڑی
 پڑے ہیں یہ اوندھے سوکس لئے
 بھڑے اشک آنکھوں میں کیوں جام

اگر تم کو کچھ عذر آنے میں ہو
 تو کچھ اس میں اصرار محسوس نہیں
 یہ کہہ کر ادھر ہی وہ اٹھ کر چلا
 جو راجہ نے پیغام شہ کا سنا
 تو وہ بڑھ کے ہمراہ لایا اُسے
 خزانہ نثار اپنا اس پر کیا
 سب آ آ کے نذر اس کو دینے لگے
 اطاعت سے خوش اس کی سلطاں ہوا
 وہ پھر قلعہ کی سیر کرنے لگا
 بہت قلعہ کا صحن بھایا اُسے
 حماد بڑے تک دل لگا کر وہیں
 ہوا راجہ بھی حبلوہ فرما وہیں
 اک آئینہ سلطاں کے خدام نے
 یہ تعلیم راجہ کے دشمن کی تھی
 کہا تھا کہ جب آپاں جاہیں گے
 تو وہ گل سنے گی یہ اندر ضرور
 رہے گا جو یہ آئینہ سامنے
 ہوا واقعہ درحقیقت وہی
 پس پشت سلطاں کے تھا در کوئی
 اٹھ کے وہ چلمن سے جا کر لگی
 چھا حسن اس کا نہ چلمن سے وہ
 پڑا عکس کیا شہ نہ بجلی گری
 نہ سمجھا کوئی تیکوں یہ گھاہل ہوا
 کوئی وہم میرے بلانے میں ہے
 میں خود تم سے ملتا ہوں آ کر وہیں
 لئے ساتھ کچھ اپنے افسر چلا
 اور آنے کا بھی اس کے مرادہ سنا
 سخت لا کر بھایا اُسے
 زرو و لعل و گوہر تھپا در کیا
 قدم اسکے جھک جھک کے لینے لگے
 نفاست پہ ہر شے کی حیراں ہوا
 دم اس کی وہ صفت کا بھرنے لگا
 وہ موقع بہت ہی خوش آیا اسے
 گیا بیٹھ کر سی سنگا کرو میں
 گئے جم سب اعلیٰ و ادنیٰ وہیں
 وہیں رکھ دیا پادشاہ کے سامنے
 یہ تدبیر اٹھو بہن کی تھی
 قیام اس جگہ کچھ جو فرمائیں گے
 وہ کھانکے گی کوٹھے پہ چڑھ کر
 تو عکس اس کا آجائے گا سامنے
 شہنشاہ کو پیش آئی صورت وہی
 اسی سمت واقع تھا منظر کوئی
 ادھر جھانکنے وہ گل تر لگی
 پڑا شہ کے آئینے پر چھن کے وہ
 الٹ کر سر خاک کر سی گری
 یہ کیوں بے چہری تیغ بسل ہوا

وہ آتش دہی شعلہ ور ہو چلی
 وہی جھانکنے والی پیش نظر
 کہا ایک کشتی سے آخرِ حال
 کہا اگر کسی نہ کر و تدبیر سے
 اُسے تو اڑا لائے دہلی تلک
 تو سو جاؤں میں دل سے ممنون ترا
 کہا اس نے یہ کون سا کام ہے
 یہ کہہ کر وہ سلطانِ رخصت ہوئی
 چلی بن کے جوگن وہ ایسی حسین
 اسی طرح فطرت دکھاتی ہوئی
 وہ اک دن وہاں آ کے داخل ہوئی
 بہت ہی وہاں اس کا شہر ہوا
 یہاں تک وہ پہنچی حویلی میں بھی
 کہ دہلی سے عین آری ہوں ادھر
 جواں اک گرفتار آیا نظر
 کہا مجھ سے لوگوں نے راجا ہے یہ
 مجھے دیکھ کر اس جواں نے کہتا
 کہ جانا جو چوڑ گڑھ ہو ترا
 تو کہنا یہ پدماتی سے پیام
 تمہیں مرنے مرنے اگر دیکھ لوں
 تو ہو جائے آساں مصیبت مری
 میں رونے لگی سنکے پیغام یہ
 وہ پیغام بالے ادا ہو گیا

ترقی دردِ جگر ہو چلی
 وہی آئینے والی پیش نظر
 بتایا غمِ جبر کا وہ لال
 کسی حسنِ فطرت سے ترویر سے
 وہ کلیوش آجائے دہلی تلک
 مرکاں لعل و گوہر سے بھر دیا ترا
 یہاں اس کو لانا مرا کام ہے
 روانہ بصدِ فکر و حکمت ہوئی
 کہ تو قیر اسکی ہوئی ہر کہیں
 دلوں کو لہجائی رخصتاتی ہوئی
 وہ ہر روز کی ختم منزل ہوئی
 بڑا جوگ کا اس کے چہرہ چاہوا
 یہ بات اس نے وال پدنی سے کہی
 ہواواں جوڑ ندال میں اک دن گزر
 بہت لاغر و زار آیا نظر
 سپہدار چوڑ گڑھ کا ہے یہ
 یہ پیغام اس نیم حیاں نے کہا
 گزر ہو محل کی طرف جو ترا
 کہے زندگی بے تہا ہے حرام
 کسی طرح پھر اک نظر دیکھ لوں
 نکل جائے دل سے یہ حسرت مری
 کہا اس سے کردوں گی میں کام یہ
 جو وعدہ کیا تھا وفا ہو گیا

رتن سین جوشہ کا قیدی ہوا
 تو کھرام ہر ہر جگہ چم گیا
 بڑے رنج و ماتم کا ساماں ہوا
 پریشاں اراکین دولت ہوئے
 کچھ اس طرح گھبرا گئے راجپوت
 کوئی فکر و کوشش بن آئی نہ تھی
 وہ اس وجہ سے شہرے لڑتے نہ تھے
 کہ پہونچے نہ نقصاں رتن سین کو
 قیامت کا کھرام تھا قصر میں
 بہت راہیوں کا بُرا حال تھا
 سڑن سی وہ بیماریاں ہو گئیں
 بہت انکو سمجھاتے تھے آکے ب
 کہ ہم اپنی تدبیر دکھلائی گئے
 مگر ان کی حالت بدلتی نہ تھی
 زرا بھی طبیعت سنبھلتی نہ تھی

سلطان علاؤ الدین کا پوتا کے پاس گٹنی کا بھیجنا

ملا دختر دز سے ساتی مجھے
 مرے ہاتھ وہ شوخ آتی نہیں
 مجھے تو کوئی اپنی فطرت دکھا
 غایت نہ ہوگی تری جب تلک
 وہ شہ دل کو کچھ دن سنبھالے یا
 مگر ضبط اس سے نہ پھر ہو سکا
 نہیں ہجر کی تاب باقی مجھے
 مجھے شکل اپنی دکھاتی نہیں
 مجھے چاند سی اس کی صورت دکھا
 نہ ہاتھ آئے گی وہیں تب تلک
 و محبت کو اس بیت کی ٹالے رہا
 نہ کھل مل کے وہ اپنا جی کھوسکا

اداس ان سے کچھ بلکہ ہو کر کہا
 بہت دل کے کچے ہو بہت نہیں
 عجب حال افسوس دُنیا کا ہے
 اگر اپنے پی جا لوں کا ڈر ہے تمہیں
 حوالے مرے فوج ساری کرو
 عوض لوں گی ہر اک مُسلمان سے
 نذاور نہ راجا یہ ہو جاؤں گی
 رتن میں کے دونوں تھے بھانجے
 پڑے نامور زور و طاقت میں تھے
 بہت حد سے انکے دِل پر ہوئے
 لڑائی میں عرصا ہوا اس لئے
 کہیں اور شہ کو عداوت نہ ہو
 جو لڑنے کی ہے اب ہدایت ہمیں
 سر جنگ اڑنا ہمارا بھی آپ
 مسلح وہ دونوں دلاور ہوئے
 چلے وال سے اس حسن فطرت کیسا
 جواں چھپکے ہر اک کے اندر چلے
 یہ اک ایک سے بات مشہور کی
 چھڑانے کو راجہ کے خودی چلی
 جہاں بہت اب ہے تڑپاری
 الگ شہر سے سب اترتے گئے
 بلا کر برابر وہ کردی گئیں
 دیاشہ کو یہ پدنی کا پیام

تو گورا و بادل سے رو کر کہا
 کہ ظاہر ہوا تم میں جرأت نہیں
 نہ میرا قلق ہے نہ راجا کا ہے
 اگر لیل ہی شہ کا خطر ہے تمہیں
 تو تم اس قدر غم گساری کرو
 لڑو لگی میں خود جا کے سلطان سے
 خدا چاہے گا تو چھڑا لوں گی
 یہ دونوں تھے غم خوار اسکے بڑے
 وہاں فرد جرأت میں بہت میں تھے
 وہ شہر مندہ یہ بات مُسکرموتے
 کیا عرض وقفہ ہوا اس لئے
 کہ راجہ کے حق میں حضرت نہ ہو
 پر اب جو ملی ہے اجادت ہمیں
 تو سن لیں گی لڑنا ہمارا بھی آپ
 وہاں سے وہ رخصت یہ کیجئے
 روانہ ہوئے دونوں حکمت کیساتھ
 کہ نفسیں بہت ساتھ لیکر چلے
 اور اک خاص سکھپال بھی ساتھ لی
 کہ پداوتی سوئے دہلی چلی
 خواصوں کے ہمراہ ہے جا رہی
 یہو بخیر وہ دہلی چھڑتے گئے
 وہ نئیں جوالوں کی دھردی گئیں
 اترتے ہی پہلے کیا اب یہ کام

بڑا حال اس کا یہ سُکر ہوا
 کہا رو کے جوگن سے لیچل مجھے
 خدا کے لئے تو ملا دے مجھے
 بتا کس طرح میں بردگن چلوں
 یہ کہنے کو تو اس نے اس سے کہا
 کہیں مجھ سے یہ جعل کرتی نہ ہو
 یہ بھیجی ہوئی شد کی آئی نہ ہو
 خواص نے بھی اس کی سوچا یہی
 لگن پوچھنے اس سے حال اس طرح
 کہ وہ دے سکی کچھ نہ اس کا جواب
 فریب اس کا سب دلشیں ہو گیا
 اسیدم ویاں سے وہ ٹالی گئی !
 سُکر پد منی کی یہ حالت ہوئی
 کہ ہر عضو سے سلب طاقت ہوئی

تپ غم رگوں میں اثر کر گئی
 ہو کثرت غم جگر کر گئی

پداوت کا گورا اور بادل سے شکایت کرنا اور

رتن سین کو تپ سے چھڑانا !

دیا ساتی کیا تو نے دھوکا مجھے
 جہا دخت رز مجھ سے کیا ہو گئی
 نہ گویا تھی کچھ جان چہ پاں ہی
 ردی پد منی کی جو حالت ہوئی
 سمجھا نہ تھا میں تو ایسا تجھے
 تری وہ عنایت ہوا ہو گئی
 جو رسمیں تھیں ان میں یہ بھٹی جان ہی
 جو قوت سب اعضا سے رخصت ہوئی

کہ پہونچے نہ اسکو مفرت کہیں
 ہوئی رشتہ کو اس کی خبر جس گھڑی
 تودہ انتہا کو پریشاں ہوا
 کہا کر گئے یہ تو جراثیم بڑی
 اسی وقت وہ فوج لیکر چلا
 کیا ان پہ دھواں لباراہ میں
 پریشاں بہت دل میں گورا ہوا
 کہ را جا کو پہونچے نہ صدمہ کوئی
 خدا جانے کیا پیش آئے یہاں
 یہ بادل کو اس نے ہلا کر کہا
 کہ ہٹ جاؤ یاں سے طرح دیکھ تم
 چلا آؤں گا میں بھی لڑتا ہوا
 نہ راجہ کو یہ گرچہ منظور تھتا
 ہوا لیکے بادل روانہ اُسے
 چلا لیکے وہ سوئے خانہ اُسے

رتن سین اور دیو پال کی لڑائی۔ بدھ رتن سین کا
 رحلت کرنا۔ ناگمت اور پیدما وکاشی جانا

نہ تلیچھٹ تلمکے کی باقی ہے
 کہاں یہ نرے سب پھلے مہرباں
 سیت کر دے تھکا دے مجھے
 خوشی کا اثر راج بھریں ہوا
 ہوس آج دل میں نہ ساتی ہے
 یہ ہے صحبت آخرائے مہربان
 گھڑوں میں ہو جتنی پلا دے مجھے
 رتن سین داخل جو گھر میں ہوا

یہاں آگئی ہوں میں کرے سفر
مگر سب سے پہلے یہ ہے التجا
نہ باقی رہنے جس میں جھگڑا کوئی
مرے پاس آنے کی مہلت ملے
اور اس پر وہ پیغام اس کا سنا
کہا لو مراد اپنی میں یا گیا !!
یہ سب جذب میری محبت کا ہے
مگر یہ بھی ارشاد فرما دیا !!
نہ صحبت رہے دریاں دیر تک
قفس میں اسے جلد بھیٹا لیا
قفس ہی قفس اب چلے جائے
جہاں جا کے یہ راستہ ہو گا ختم
مدد دیں گے فوجی حوال آپ کو
قفس کے وہ اندر ہی اندر چلا
مدد کے لئے فوج ساری ملی
چلے پتھر سے وہ بدلتے ہوئے
گھر طے دور کے دوری رہ گئے
لئے تیغ ہاتھوں میں نکلے حوال
جفا آشنا حیلہ گر بادشاہ
بڑا تو نے دھوکا دیا تھا جسے
لئے جاتے ہیں دیکھ لے گھر اُسے
حوالوں کو میاں میں لا سامنے
چلے اپنے اس حکم فرما کی سمت

کہ گھر بار اپنائیں سب چھوڑ کر
مجھے شاہ کے حکم میں عذر کیا
کہ دو بات کر لوں میں راجہ سے بھی
اُسے دو گھڑی کی اجازت ملے
شہنشاہ نے جو نام اس کا سنا
تو مارے خوشی کے وہ گھبرا گیا
کہا یہ اثر میری اُلفت کا ہے
اسی وقت راجہ کو بھیجا دیا !
کہ جا کر نہ ٹھہرے وہاں دیر تک
پہنچتے ہی پھر وال نہ عرصہ کیا
کہا اب توقف نہ فرما تیرے
قفس کا جہاں سلسلہ ہو گا ختم
سواری ملیگی وہاں آپ کو
اسی راہ سے وہ یہ سنکر چلا
وہاں جا کے حاضر سواری ملی
حوال کچھ اسے لیکے چلتے ہوئے
نگہبان محصور ہی رہ گئے
اس اثنا میں قفسوں میں سلجھے حوال
لپکا را کہ اے بد گہر بادشاہ
دغا سے مفید کیا تھا جسے
چھڑا ہی لیا حیلہ آکر اسے
اگر کچھ ہے جرأت تو آ سامنے
یہ کہہ کر بڑھے وال سے راجہ کی سمت

مجھے تجھ سے اس سے ہے اُلفت سوا
 بدن کا لہو اور کھی گھٹ گیا !
 بڑی سختیوں اور صعوبت کے ساتھ
 کڑھی اپنی اس بے بسی پر بہت
 اب اس طرح حرمت مری ہو گئی
 جو کچھ جس گھڑی منہ میں آیا کہتا
 بڑا غم بڑا رنج دل پر ہوا
 اب اس کی بھی اس طرح حرمت مری
 جو کچھ فوج تھی اس پہ لیکر چڑھا
 بہت منع لڑنے سے اس کو کیا
 سوا بلکہ وہ جوش اس کا ہوا
 قوی تھا دلاور تھا جبار تھا
 مع فوج و لشکر متا بل ہوا
 کہ خلق خدا پر ہو کیوں کچھ ستم
 جو ہوتا ہو ہو جائے اک آن میں
 بہت دیر تک معرکہ میں اڑے
 ہر اک فن سے دونوں خبردار تھے
 بہت ہاتھ کاٹے گئے تیر کے
 شجاعت کے جوہر دکھاتے گئے
 کسی کو کوئی بس میں پاتا نہ تھا
 برابر ادھر سے ادھر سے چلے
 سال ایک پہلو میں وہ کھا گیا
 کیا دار اس نے بھی تلوار کا

کروں گامیں راجہ سے عزت سوا
 یہ سن کر کلیجہ مرا پھٹ گیا !
 نکالی گئی وہ تو ذلت کے ساتھ
 مگر روئی میں بیکسی پر بہت
 کہ اب ایسی عزت مری ہو گئی
 کہ جو جس کے دل نے سجھایا کہا
 وہ بے چین یہ بات سنکر ہوا
 کہا اس نے یہ تو قیامت ہوئی
 سحر ہوتے ہی اس طرف وہ بڑھا
 وہ مانع ہوئی مگر چہ حد سے سوا
 مگر کم نہ وہ اس کا غصا ہوا
 وہ ظالم بھی کھل کا سردار تھا
 وہ سنتے ہی آکر متا بل ہوا
 مگر رائے اب طے یہ پائی بہم
 سمجھ لیں بہم چل کے میدان میں
 اسی طرح آخر وہ دونوں لڑے
 فن جنگ میں دونوں ہتیار تھے
 چلے وار پر وار شمشیر کے
 لگاتار نیزے بھی آتے گئے
 کوئی ان میں پر غالب آتا نہ تھا
 پر آخریں باہم جونیرے چلے
 تو راجہ پہ قابو وہ کچھ پا گیا
 مگر رنگ بدلانا حیران کا

زرد و سیم ہر سو لٹاتے تھے لوگ
 خوشی ان کو حاصل قیامت کی تھی
 گل اندام گل سپر بہن پد منی
 وہ خوش اس قدر تھی نہ تھی ہوش میں
 دُعا دل سے گورا کو دیتی تھی وہ
 فسانے جدائی کے باہم چھڑے
 وہ زنداں کی ساری حقیقت کہی
 ترقی پہ یوں تیرہ سختی رہی
 وہ ہر وقت کی بیقراری ستم
 یہی مجھ کو گھیرے الم رات دن
 کہ پھیرا کے تم سے بلایا مجھے
 منہ اشکوں سے وہ اپنا دھوئی رکھی
 جدائی نے دی جو اذیت مجھے
 ہمیں کیس طرح اس سے ماہر کروں
 مری جان تن سے مرے چھٹ گئی
 عہد ہو گیا تھا زمانہ مرا
 فریبوں سے اس کے جو حرمت بچی
 مرے جی کا خواہاں ہوا دیو پال
 کہا اس نے آکر یہ اس کا پیام
 رہائی کی کوشش ہے بیکار اب
 ملا زندگی بھر کو زنداں اس سے
 عیش غم میں راجہ کے مرنے تو
 ٹھہر آ کے دل میں جگر میں مرے

خوشی سے نہ پھولے ساتے تھے لوگ
 نہ حد رانیوں کی مسرت کی تھی
 خصوصاً وہ غنچہ دہن پد منی
 بہت ہی مسرت کے تھی جوش میں
 قدم جھک کے باطل کے لیتی تھی وہ
 طے شب کو تو قصہ غم چھڑے
 رتن سین نے سب مصیبت کہی
 کہ اس اس طرح مجھ پہ سختی رہی
 اور اس پر جدائی تمہاری ستم
 تمہاری ہی فرقت کا غم رات دن
 خدا نے دوبارہ حب لایا مجھے
 وہ گلپوش سن سن کے روتی رہی
 کہا پھر ہوئی جو مصیبت مجھے
 اسے کیس طرح تم پہ ظاہر کروں
 چھٹے مجھ سے تنم کیا کہ مٹی لٹ گئی
 نہ تھا بے تمہارے ٹھکانا مرا
 جو سلطان کی کشتی سے عزت بچی
 تو پھر دشمن جاں ہوا دیو پال !
 یہ اک شوخ عورت سے یہ پیام
 کہ چھٹنا ہے راجہ کا دشوار اب
 نہ چھوڑے گا زہر اس سلطان اسے
 عیش زندگی تلخ کرتی ہے تو
 بس اب بیٹھ بے فکر گھر میں مرے

کوئی رنج اس طرح سہتا نہیں
یہ کہ کردہ رخصت بالآخر ہوا
عراجی سے ساغر عہدا ہو گیا
وہ اس سے رانیاں چھٹ گئیں
وہ جینا نہ آخر خوش آیا انھیں
وہ جی کھونے کو مستعد ہو گئیں
عزیزوں نے ہر چیز روکا انھیں
مگر یارائیں نہ زہن پار وہ
اسے لیکے دولوں سہتی ہو گئیں
وہیں ہو گئیں راکھ کی ڈھیر پائے
نہ راجہ رہا اور نہ رانی رہی
نہ ساتی نہ میخانہ باقی رہا
بگرے اشک ٹھل کر لگا ہونکے ساتھ
جسے دیکھتے غم سے ناشاد تھا
ادھر تنگ سلطان سے گور اچھی تھا
کئی دن برابر لڑائی رہی
مگر پھر وہیں وہ بھی کام آگیا
شہنشاہ کو فتح حاصل ہوئی
وہ چوڑا گڑھ پھر وہاں سے چلا
وہاں آئے راجا کا مرنا سنا
بڑا اس کو حد نہ ہو سکر ہوا
کہا اپنے دل میں کہ یہ کیا کیا
ہوا قہر میرے خیالات سے

سدا کوئی دنیا میں رہتا نہیں
دیار عدم کا مسافر ہوا
چمن سے گل تر عہدا ہو گیا
وہ گلفام گل سپر بن لٹ گئیں
وہ گھل گھل کے مرنا نہ بھایا ان
سہتی ہونے کو مستعد ہو گئیں
دیا لاکھ سب نے دلا سا انھیں
ہوئی حب دستور طیار وہ
وہ پیاری حسین ہوئیں کھو گئیں
ہوا کیا گھڑی بھر میں اندھیر پائے
فقط ایک ان کی کہانی رہی
نہ وہ دور پیما نہ باقی رہا
کلجے نکل آئے آہوں کے ساتھ
نہ تھا شہر وہ محشر آباد تھا
بڑا حال میداں میں اس کا بھی تھا
بہم خوب تیغ آزمائی رہی
اجل کا اسے بھی سپام آگیا
جو واقع تھی آساں وہ مشکل ہوئی
تمنا میں پدمادتی کی چلا
وہ ان رانیوں کا گزرنا سنا
بڑا رنج و غم اسکے دل پر ہوا
بہت میں نے یہ کام بے جا کیا
گئیں ان کی جانیں مری ذات سے

کہ سرتن سے کٹ کر الگ جا پڑا
 وہ بھینچا جہنم میں عیار کو
 شجاعت کی اسکی شہنشاہی ہوئی
 لہو اس جگہ سے تھا جاری بہت
 پہونچتے ہی خمیے میں غش آگیا
 ہر سال ہوئے سارے افسر بہت
 اتارا محل میں پہونچ کر اُسے
 لہو میں بدن اس کا تر دیکھ کر
 زمیں پر وہ رشک سر گر پڑی
 یہ راجہ سے پہلے سفر کر گئی
 یہی شور تھا ہائے کیا ہو گیا
 لگی رونے دل تھام کر ناگمت
 زرا اسکو اس غش سے فرصت ملی
 وہ غمخوار عاشق مری ہی کہاں
 انھیں جلد لاؤمرے سامنے
 وہ قابو میں فرط الم سے نہ تھیں
 سرھانے بمشکل بٹھایا انھیں
 منہ اشکوں سے دھویا انھیں دیکھ کر
 ہمیشہ کو اب منہ چھپاتے ہی ہم
 اور اپنے جگر پر بھی لے کر چلے
 کہ یوں جلد تم سے جدائی ہوئی
 سفر جلد دنیا سے کر جائینگے
 خدا کے لئے جان کھونا نہ تم

وہ غصے کا ہاتھ اس پہ ایسا پڑا
 کہا بڑھ کے مارا وہ سکار کو
 یہ دیکھا تو فوج اسکی شاداں ہوئی
 پر اس کا بھی تھا زخم کاری بہت
 وہ اس درر سے سخت گھبرا گیا
 پریشاں ہوئے اہل لشکر بہت
 چلے داں سے لیکر وہ سب گھر اسے
 اسے پدمنی اک نظر دیکھ کر
 سڑن ہو گئی چیخ کر گر پڑی
 ہو اب یہ ثابت یہ مر گئی
 حویلی میں حشر اک بسا ہو گیا
 لگی پیٹنے اپنا سر ناگمت
 کچھ اتنے میں راجہ کو راحت ملی
 کہا ناگمت پدمنی ہیں کہاں
 کہاں ہیں بلاؤمرے سامنے
 وہ گو ہوش میں فرط غم سے نہ تھیں
 خواصوں نے لیکن اٹھایا انہیں
 وہ مجرد رو یا انھیں دیکھ کر
 کہا اب تو دنیا سے جلتے ہیں ہم
 تمہیں داغ فرقت کا دیکر چلے
 کچھ اس طرح ہم سے بُرائی ہوئی
 نہ سمجھے تھے یوں جلد مر جائینگے
 تشپ کر مرے غم میں رونا نہ تم

کوئی ظلم کرتا نہیں اس طرح
یہ کہہ کر وہ رو تا گیا اس جگہ
وہ دونوں سستی ہو گئی تھیں جہاں
کچھ ان کی پریشیاں اٹھال دھاک
کہا اس مری زندگانی پہ خاک
ہوا زندگی بھر کو ناشادیں
گیا بیٹھ پھر آکے وہ قلعہ میں
بلا یا وہ ان دروں دل بند کو
انہیں بندۂ لطف و شفقت کیا
کنوڑا سین کو داں کا راجا کیا
کیا پھر وزیر اس کا نگین کو

خدا کو دکھاؤں گا منہ کس طرح
منہ اشکوں سے ہوتا گیا اس جگہ
وہ رشک قمر کھو گئی تھیں جہاں
بھری آہ اور سر پہ ڈالی وہ خاک
مری شوکت خسروانی پہ خاک
ہوا دل کے ہاتھوں سے بربادیں
لگا روئے چپتا کے وہ قلعہ میں
رتن سین کے دونوں فرزند کو
علا سر فرازی کا خلعت کیا
پہتا ہی بلت اس کا رتبہ کیا
بنایا مشیر اس کا نگین کو

مر کا پھر نہ دہلی وہ چلتا ہوا
انہیں کھو کے ہاتھ اپنا ملتا ہوا

خاتمہ

یہ اردو کی ساری مری ثنوی
نتیجہ مری پہلی حالت کا ہے
جیسے ناز و خفا اس پہ کوئی نہیں
غرض نام سے ہے نہ شہرت ہے
خوشی دل کی تھی دل کو بہرہ لایا
یہ امید اب ذی کمالوں سے ہے
کہ میری خطا دیکھیں بھالیں نہ کچھ

یہ پروردہ حسرت بھری ثنوی
یہ جوش ابتدائی طبیعت کا ہے
مجھے دعویٰ شعر گوئی نہیں
نہ بحث اس میں اپنی لیاقت ہے
اسی طرح دل اپنا سمجھا لیا
گزارش یہ نازکی خیالوں سے ہے
نظر اسکے عیبوں پہ ڈالیں نہ کچھ

مروت سے اخلاق سے کام لیں
جہاں پائی لغزشیں مجھے تھام لیں